الاعتدال فی مراتب الرجال

یعنی

اسلامی سیاست

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ

تسہیل • عنوانات • تشریح

مولانا محمد ذاکر عزیز مدظلہ

PDFBOOKSFREE.PK

احمد اکیڈمی

مکی مسجد 22- علامہ اقبال روڈ لاہور ۔ 6374594

الاعتدال فی مراتب الرجال

معروف بہ

اسلامی سیاست

جس میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے علماء کرام اور مشائخ و بزرگوں کے درمیان اختلافات کے مختلف سوالوں کے تفصیلی جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں ہیں۔

تالیف

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

O

عنوانات، تشریح، تسہیل

مولانا محمد ذاکر عزیز فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

احمد اکیڈمی

مکی مسجد 22-علامہ اقبال روڈ لاہور فون: 6374594

عرضِ ناشر

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ذات اور دینی وتالیفی خدمات کسی بھی پڑھے لکھے شخص سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے میں ان سے بہت کام لیا۔ لیکن کتاب وتصنیف کی شکل میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے جو کام انجام دیا اس کا دائرہ بہت وسیع ہے علماء ومشائخ کے لیے احادیث کی کتابوں کی بے مثال شروحات تحریر فرمائیں اور عوام کے لیے بھی نہایت عمدہ کتابیں لکھیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی اکثر کتابیں شائع ہوتی رہی اور ہو رہی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' بھی ہے جو کہ ''اسلامی سیاست'' کے نام سے مشہور ہے۔

موجودہ زمانہ اور حالات کے اعتبار سے بہت بہترین اور اپنے موضوع پر بالکل منفرد کتاب ہے۔ اس سے قبل بھی اس کتاب کو بعض اداروں نے شائع کیا۔ لیکن یہ کتاب اپنی شایان شان شائع نہ ہوسکی کئی اعتبار سے اس میں کمی رہی ان تمام کمیوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

الحمدللہ ہمارے ادارے ''**احمد اکیڈمی مکی مسجد 22- علامہ اقبال روڈ لاہور**'' کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اکابرین علماء دیوبند کی کتب کو انتہائی بہتر انداز میں لوگوں

کے ہاتھوں تک پہنچائے۔

اس لیے اس کتاب ''اسلامی سیاست'' میں جن چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

1- تمام مشکل الفاظ کے معانی بین القوسین میں لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ عوام الناس بھی پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں۔

2- تمام دقیق اور پیچیدہ الفاظ کی مکمل وضاحت اور تسہیل کر دی ہے تا کہ کتاب عام فہم بن جائے اور تبلیغی جماعت کے احباب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

3- تمام اہم مقامات پر عنوانات قائم کر دیئے ہیں تا کہ ہر مضمون واضح ہو جائے اور ہر ہر سوال کا جواب جدا جدا ہو جائے۔

4- نئی کمپیوٹر کتابت کرائی گئی ہے تا کہ جاذب نظر بن جائے۔

5- کتابت اور سائز بڑا کر دیا ہے تا کہ ہر عمر کے افراد فائدہ حاصل کر سکیں۔

6- کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے تا کہ مزید صفائی پیدا ہو سکے۔

7- جلد بندی میں سلائی کروائی گئی ہے تا کہ مضبوطی میں اضافہ ہو۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں اور قارئین سے پوری توقع ہے کہ جس طرح انہوں نے احمد اکیڈمی سے بہت سے موضوعات پر چھپنے والی کتب کو پسند کیا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسی طرح وہ مشہور زمانہ کتاب اسلامی سیاست کو بھی پسند فرمائیں گے۔

محمد ناصر عارف

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

مدیر مکتبہ مکیہ و احمد اکیڈمی

مکی مسجد 22- علامہ اقبال روڈ لاہور فون: 6374594

فہرست

عنوان	صفحہ
علماء کا آپس کا اختلاف ایک دوسرے کے اخلاص کے منافی نہیں	٧
اختلاف علماء کی صورت میں کس کا اتباع کیا جائے	٧
مفلس حقیقی کون ہے؟	٩
قائل سے قول کو پرکھنے کا ضابطہ	١٠
شدتِ اختلاف کے درجات	١٢
احقر مؤلف کی تمنا	١٣
من عادیٰ لی ولیا الخ۔ الحدیث	١٥
ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ	١٧
مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ الخ	١٧
اہل اللہ پر اعتراض	١٨
اہل اللہ کبھی انتقام بھی لیتے ہیں	١٩
اہل اللہ سے محبت اور حدیث اَلْمَرءُ..	٢٠
قابلِ صحبت مؤمن کا معیار	٢٢
دو شخصوں کے درمیان محاکمہ کی صورت	٢٣
کسی چیز پر لب کشائی کے لئے اس کے مالہ و ما علیہ پر عبور ضروری ہے	٢٤
حضرات صحابہ کرامؓ کی آپس کی لڑائیوں کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مشہور مقولہ	٢٥
ہدایت اور گمراہی کے اعتبار سے امور کی تین قسمیں ہیں	٢٦
اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلیٰ غَیْرِ اَهْلِهٖ	٢٦
مقاصد کے اختلاف سے حکم بدل جاتا ہے	٢٧
تقسیم اور عدمِ تقسیم ہند کے بارے میں اکابر کے دو الگ نظریئے	٢٩
آپس کے اتفاق و اتحاد کی چند نظیریں	٣٠
بندہ (مؤلف) کی ابتدائی تربیت	٣٢
متفق علیہ کارِ خیر کی ترجیح	٣٤
حضرت مدنیؒ کا علوِّ شان	٣٥
طلبہ کے لئے سیاست وغیرہ میں حصہ لینا سم قاتل ہے	٣٦
طالب علم کے لئے انقیاد اور استاذ کا احترام ضروری ہے	٣٩
طلب علم میں مومن کی خوشامد	٤١
طلب علم کے لئے دس اُمور اہم ہیں	٤٣
جہاد کی تعریف اور اس کے فضائل	٤٦
دین کو آسان بنانے کی ترغیب	٥٤
فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ (الحدیث)	٥٥
صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا	٥٦
مصائب و بلایا کے باطنی اسباب	٥٨
ارکانِ اسلام میں مداہنت کی مثالیں	٦١
محرمات پر جرأت	٦١
معاصی پر مصائب کی احادیث	٦٤
انفاق و ایثار	٧٢
شریعت پر عمل مرض کا علاج ہے	٧٣
طاعات و عبادات فلاح دارین کا سبب ہیں اور اس کے چند واقعات	٧٤
حدیث: بادشاہوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں	٧٦
اللہ کے راضی یا ناراض ہونے کی علامات	٧٨
اپنے اعمال ہی حاکم ہوتے ہیں	٨٠

کفار دنیا میں باوجود بداعمالیوں کے خوشحال کیوں ہیں: اشکال و جواب	۸۲
دنیا میں مسلمانوں پر شدائد و مصائب کی مصلحت	۸۴
دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک	۸۶
حدیث: بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ ہیں	۸۷
آیات و احادیث دنیا کے مقصود بنانے میں	۸۹
مسلمانوں کی ترقی کا معیار اور بلاؤں سے بچنے کا واحد علاج	۹۴
صدیق اکبرؓ کی سخت نکیر کافر سردار کا سر کاٹ کر لانے میں	۹۶
حضرت عمرؓ کی تنبیہ حضرت ابوعبیدہؓ کو ملک شام کے سفر میں	۹۶
عزت اور ذلت کا مدار	۹۷
قول کو دیکھو قائل کو نہ دیکھو کا مطلب	۹۸
دین کے اہتمام میں اسلاف کے حالات اور غیبی مددوں کے واقعات	۹۹
حضرت عمرؓ کی امیر لشکرؓ کو نصیحت	۱۰۵
آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کی روایات	۱۰۶
طاعت پر مدد کے وعدے اور گھمنڈ پر نقصانات	۱۰۸
صحابہ کرام: تحریرات اور خطبات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ	۱۱۰
حدیث: انما الاعمال بالنیات	۱۱۳
تجسس اور غیبت سے بچنا اور مسلمانوں کے عیب کی پردہ پوشی	۱۱۶
ایک مردِ مومن کا احترام اللہ کے نزدیک بیت اللہ سے زیادہ ہے	۱۱۷
مسلمانوں کی آبرو ریزی بدترین سود	۱۱۹
بغیر ثبوت شرعی کے کسی پر الزام لگانا ہرگز جائز نہیں	۱۲۰
جیسا کرو گے ویسا بھرو گے	۱۲۱
مرا پیر دانائے مرشد شہاب الخ شعر	۱۲۳
کان، آنکھ، دل، ہر ایک کے متعلق احتیاط کا حکم	۱۲۳
اختلافِ رائے کی صورت میں خودغرض قرار دینا سخت ذمہ داری ہے	۱۲۴
غیبت اور بہتان میں فرق	۱۲۵
انسان پر ہر وقت خفیہ پولیس اللہ کی طرف سے مسلط ہے	۱۲۶
حدیث: مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا	۱۲۷
حدیث: نجات کا ذریعہ	۱۲۸
جہلاء اہل علم کے دشمن ہیں	۱۲۹
عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے بہت زیادہ سخت ہے	۱۳۲
علماء و مشائخ کے حق میں سب و شتم ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے	۱۳۳
دیانۃ فیمابین العبد و بین اللہ معاملہ کا درست ہونا کافی ہے	۱۳۴
حدیث: چار صفتوں میں سے نکل کر پانچویں صفت اختیار نہ کرو	۱۳۵
فقہا (علماء) ہی اللہ کے ولی ہیں اور ان کی ایذاء پر سخت وعیدیں	۱۳۶
علماء و صلحاء کے بارے میں عہد نبوی	۱۳۷
کسی عالم کے قول کی تردید کب کی جاسکتی ہے	۱۳۹
دین کی ضرورت کا احساس اور علماء دین کی شان و مثال	۱۴۱

دنیا کے ہر کام میں اہل فن ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے	۱۴۳
زبان کے ماہر منافق سے خطرہ	۱۴۳
دین کے شعبوں کی الگ الگ جماعتیں	۱۴۴
کفر کی ارزانی کا اعتراض	۱۴۵
عمل کے لئے صرف قرآن کافی نہیں اصل دین اتباعِ رسول ہے	۱۵۰
صحابہ کرامؓ کی دین پر پختگی کا حال اور ترکِ صلوٰۃ پر کفر کے فتوے	۱۵۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ ماننے والے کے ساتھ حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل	۱۵۳
عدمِ تکفیر اہل قبلہ اور اہل قبلہ کی تعریف	۱۵۴
ذاتی اوصاف و کمالات اور تبحر علمی دو مستقل الگ الگ چیزیں ہیں	۱۵۹
صحابہ کرامؓ میں جامعیت کی شان تھی	۱۵۹
مشائخ سلوک اور علماء کی شان جدا ہے	۱۶۰
بغیر خود عمل کے دوسروں کو امر بالمعروف کی اجازت	۱۶۰
دینی انحطاط کی حدیث میں پیشگوئی	۱۶۱
اسلاف کے مقابلہ میں مشائخ وقت کو نظر میں نہ لانا سخت محرومی ہے	۱۶۲
خیارکم فی الجاهلية خیارکم فی الاسلام (الحدیث)	۱۶۲
قیامت کے دن پانچ باتوں کی جوابدہی لازم ہوگی (الحدیث)	۱۶۳
ذاتی اوصاف کا اثر اور حدیث: ائمہ من القریش	۱۶۴
علوم دینیہ کی تحصیل بمد مجبوری سمجھنا	۱۶۴
علماء حق اور علماء سوء کا فرق	۱۶۶
علماء ظاہر کی موافقت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات	۱۶۸
سنت کے اہتمام میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک اہم خط	۱۷۱
الحلال بیّن والحرام بیّن (الحدیث)	۱۷۳
علم کی مقدار جس کا سیکھنا ضروری ہے	۱۷۵
مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت اور موجبِ سہولت ہے	۱۷۷
بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف	۱۷۹
حضرت سہارنپوری اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا چند مسائل میں اختلاف	۱۸۶
صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی چند مثالیں	۱۸۸
حضرت حسن بصریؒ کے ساتھ دو گروہ کا الگ الگ طرزِ عمل	۱۸۹
اختلاف کی ہر نوع مذموم نہیں	۱۹۱
عقائد میں اختلاف گمراہی ہے	۱۹۲
متشابہاتِ قرآنیہ اور قصہ صبیغ	۱۹۳
اجتہاد کے لئے کیا علوم ضروری ہیں	۱۹۵
متعارض حدیثوں میں وجوہ ترجیح	۱۹۶
دین کے لئے تین شخص آفت ہیں	۱۹۹
ایک اشکال: کہ شرعیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے	۱۹۹
اختلاف میں حدود سے تجاوز نہ چاہئے	۲۰۲
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فعلی کے لئے مبعوث تھے	۲۰۲
صحابہ کرامؓ کے نزاعات کے چند نمونے	۲۰۴
غیر مسلموں کے ساتھ صحابہؓ کا برتاؤ	۲۰۷
نہایت مختصر آخری وصیت	۲۰۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز گرامی قدر سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون محبت نامہ پہنچا۔ جس خلوص اور جوش سے تم نے لکھا ہے، اس سے اور بھی لطف آیا۔ اس قسم کے سوالات تو تحریرًا تقریرًا کثرت سے ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر اپنی نا اہلی کہوں یا کاہلی، کثرتِ مشاغل سے تعبیر کروں یا تساہل سے، اکثر سائل کے مناسب مختصر جواب لکھ دیتا ہوں یا کہہ دیتا ہوں۔ مفصل لکھوں تو کسے کسے لکھوں؟ لیکن تمہارے خلوص اور دوسری خصوصیات نے مجبور کیا کہ کسی قدر تفصیل سے لکھوں۔ تم بھی جوش سے علیحدہ ہوکر ذرا غور سے پڑھنا اور صرف ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ بار بار دیکھنا۔ اوّل تو مجھے اُس تعلق کی بناء پر جو تم کو ہے، خود ہی یقین ہے کہ تم بہت غور سے کئی بار پڑھوگے۔ احتیاطًا میں نے بھی لکھ دیا ہے کہ رنج اور غصہ اور جذبات سے علیحدہ ہوکر دیکھنا۔ مکرر کہتا ہوں کہ خالی الذہن ہوکر غور سے پڑھنا۔ سمجھ میں آئے، قبول کرنا، ورنہ کوئی جبر نہیں۔ تمہارے سارے طویل مضمون کا خلاصہ جو میں نے سمجھا ہے، چند امور ہیں:

نمبر ۱ : حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے؟ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے؟

نمبر ۲ : تیرے نزدیک کون حق پر ہے اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟

نمبر ۳: ہمیں کیا کرنا چاہئے، کیا مر رہنا چاہئے؟ تُو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟

نمبر ۴: مسلمان تباہ ہوتے جارہے ہیں، آخر ان کو کیا کرنا چاہئے؟

نمبر ۵: اغراض آج کل زیادہ کام کررہی ہیں، ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے

نمبر ۶ : علماء کا وقار عمدًا گرایا جارہا ہے، بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے۔

نمبر ۷: علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

تمہارے خط کے معظم (بڑے) امور یہ ہیں اور یہ سوالات اکثر و بیشتر تحریرًا تقریرًا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں اپنے پریشان خیالات ان امور کے متعلق کسی

قدر تفصیل سے لکھتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں لکھ رہا ہوں یہی حق ہے، ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ میرے ناقص خیالات امورِ بالا کے متعلق حسب ذیل ہیں۔ والعلم عنداللہ۔

سوال نمبرا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے؟

علماء کا آپس کا اختلاف ایک دوسرے کے اخلاص کے منافی نہیں

مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی عامی ایسی چیز سے پریشان ہو تو بعید (اس پر حیرانی) نہیں، مگر تم جیسے سمجھدار علمی مناسبت رکھنے والے کو اس سے متعجب ہونے اور اس طرح متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں تو اس چیز میں اتنا ٹھنڈا ہوں کہ لکھ نہیں سکتا۔ شوال میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں تمت ہوتی ہے۔ ان دس ماہ میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا، جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ کہنا نہ پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ مذاہب ہیں، تابعینؒ میں یہ اختلاف ہے۔ اگر آپس کا اختلاف ہی اخلاص کے منافی ہوگا تو ہمیں بڑی مشکل پیش آ جائے گی کہ ان سب حضرات رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ تعالیٰ کو مخلصین کی جماعت سے خدانخواستہ نکالنا پڑ جائے گا۔ رہا شدید اختلاف ہونا تو میں تو کچھ شدید بھی نہیں سمجھتا۔ اتنا ہی تو ہے کہ ایک وقتی مسئلہ میں ایک حضرت کی رائے یہ ہے کہ لیگ میں شرکت مسلمانوں کے لئے مفید ہے، کانگریس میں مُضر (نقصان دہ) ہے، دوسرے حضرت کی رائے اس کے برعکس ہے۔

اختلاف علماء کی صورت میں کس کا اتباع کیا جائے

اب جو شخص خود اہل الرائے (عقلمند) ہے، حالات کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے، قواعد شرعیہ (شریعت کے احکام) سے واقف ہے، اس کو چاہئے کہ جس کو دیانتا

(انصاف سے) حق پر سمجھتا ہے، اس کو اختیار کرے۔ جو خود اتنی سمجھ نہیں رکھتا، اس کو چاہئے کہ ان دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہو، دو چار دن قیام کرے، یا اگر حالات سے پہلے سے واقف ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ جونسے حضرت سے عقیدت زیادہ ہو، اُن کا اتباع کرے بِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (جس کے پیچھے بھی چلو گے، ہدایت پاؤ گے) اس میں لڑائی کی کیا بات ہے اور جھگڑا کیا ہے؟ اور میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان اکابر کا اختلاف آپ کی نظر میں شدید اختلاف کیوں ہے۔ کیا یہ اختلاف جنگِ جمل[1] سے بھی بڑھ گیا ہے، جس میں دونوں طرف سے تلواریں چل رہی تھیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ان میں سے کون سے فریق کو مخلصوں کی جماعت سے نکال دو گے۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا ہے، خلیفہ برحق کہنا ہے، مرجع الاولیاء کہنا ہے۔ اور حضرت عائشہ کا نام آئے تو رضی اللہ عنہا کہنا ہے، امّ المومنین کہنا ہے، اور حضور سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی بیوی کہنا ہے۔ اور اختلاف کا حال معلوم ہی ہے کہ جنگِ جمل کا نام قیامت تک اس اختلاف کی یاد کو باقی رکھنے والا ہے۔

سنو! چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں، اس لئے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا۔ اگر خدانخواستہ ایسا کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے، ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ مجھے تو بعض لوگوں پر، جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں، بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے دینی، علمی، عملی کارناموں کے ساتھ، جن کے ثمرات (انعامات) وہ شب و روز لُوٹتے ہیں، دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بے چارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آ رہا ہے، اس لئے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تم ہی لیتے جاؤ۔ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر

---

[1] یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مشہور لڑائی ہے، جس میں ایک جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ۱۲

بن رہا ہے اور مجرم بن رہا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

مَا تَعُدُّوْنَ الْمُفْلِسَ فِيْكُمْ قُلْنَا مَنْ لَّا مَالَ لَهُ قَالَ لَيْسَ بِذَالِكَ وَلٰكِنَّهُ الَّذِيْ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِحَسَنَاتٍ وَّ يَاْتِيْ قَدْ ظَلَمَ هٰذَا وَ شَتَمَ هٰذَا وَ اَخَذَ مَالَ هٰذَا وَ لَيْسَ هُنَاكَ دِيْنَارٌ وَّ لَا دِرْهَمٌ فَيُعْطَوْنَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ لَا تَفِيْ فَيُؤْخَذُ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ فَيُطْرَحُ عَلَيْهِ. (جمع الفوائد)

مفلس حقیقی کون ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ مفلس تم لوگ کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے بلکہ حقیقتاً مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر حاضرِ دربار ہو (یعنی خدا کے سامنے حاضر ہو) مگر دنیا میں کسی پر ظلم کیا تھا، کسی کو گالیاں دی تھیں، کسی کا مال چھین لیا تھا۔ قیامت میں روپیہ پیسہ تو ہے ہی نہیں، وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے پورے کئے جاتے ہیں، اس لئے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں اُن لوگوں کو دلائی جائیں گی، جن پر ظلم کیا تھا اور ان کو برا بھلا کہا تھا۔ اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بہر حال اُن کے تو حقوق کو پورا کرنا ہی ہے، اس لئے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ اُن لوگوں کے وزن میں آئیں گے، وہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ تو اصل مفلس یہ ہے کہ بہت کچھ کمائی (نماز روزہ اور دینی کاموں کی) لے کر گیا تھا اور ملا یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پڑ گئے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے۔ ان کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے اور فساق (برے لوگ) اور کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے: **اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَ اهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ.** (مشکوٰۃ شریف) (جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرانے (ہلنے) لگتا ہے)۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی تعریف نہ کی جائے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ کس شخص کی تعریف کس حد تک اور کن قواعد کے تحت میں جائز ہے اور کس حد تک

ناجائز ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ اللہ والوں کو بُرا نہ کہا جائے۔ کسی کی خلافِ شرع تعریف نہ کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ کسی ایک جانب غلطی ہے تو کیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے سارے دینی کمالات سے آنکھیں پھوڑ (بند) لی جائیں۔ شریعتِ مطہرہ نے ہم لوگوں کو ایک ایک جز اور ایک ایک چیز کی تعلیم دی ہے۔ ہم لوگ باوجود ادعائے مذہبیت (دین کی اس آسانی) کے اس کی پرواہ نہیں کرتے اور دوسری قومیں ان زرّیں اصولوں پر عمل کر رہی ہیں اور بڑھ رہی ہیں اور ہم لوگ اپنی مایہ لٹا رہے ہیں اور نقصان اٹھا رہے ہیں۔

قائل سے قول کو پرکھنے کا ضابطہ

سنو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایک جانب غلطی ہے اور وہ ایسی کھلی غلطی ہے کہ تم اس کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ نہ کرو۔ کون مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس بارہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو۔ انہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے اور اللہ ان پر رحمت کرے، کس قدر نفیس بات کہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اُحَذِّرُکُمْ زَیْغَةَ الْحَکِیْمِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلٰی لِسَانِ الْحَکِیْمِ وَ قَدْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُ کَلِمَةَ الْحَقِّ قُلْتُ لِمَعَاذٍ رضی اللہ عنہ مَا یُدْرِیْنِیْ رَحِمَکَ اللّٰهُ اَنَّ الْحَکِیْمَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَ اَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ یَقُوْلُ کَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ بَلٰی اِجْتَنِبْ مِنْ کَلَامِ الْحَکِیْمِ الْمُشْتَهَرَاتِ الَّتِیْ یُقَالُ لَهَا مَا هٰذِهٖ وَ لَا یَثْنِیَنَّکَ ذٰلِکَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ لَعَلَّهٗ اَنْ یُّرَاجِعَ وَ تَلَقِّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَهٗ فَاِنَّ عَلَی الْحَقِّ نُوْرًا.

(میں تمہیں حکیم کی کجی (غلطی) سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان سے کہہ دیتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے، جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ حق کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو، جن کے متعلق یہ کہا جائے، یہ کیا ہوگا؟ یہ کیسے کہہ دیا؟ اور اس کا خیال رکھنا کہ حکیم کی یہ باتیں تجھے اس سے روگرداں (بدظن) نہ کر دیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کرلے) اب غور کرو کہ حضرت

معاذ رضی اللہ عنہ نے اس ضابطہ اور نصیحت میں کتنے اہم امور ارشاد فرما دیئے ہیں:

❶ ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں۔ کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ اس لئے محض ایک بات کسی کی سن کر اس کا معتقد نہ ہونا چاہئے۔ ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا مضمون کسی کا پڑھا۔ فوراً اس کے معتقد ہو گئے۔ ساتویں آسمان پر اس کو پہنچا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بددین ہے، فاسق ہے، مگر بات ہماری مرضی کے موافق کہہ رہا ہے تو اس کو اتنا پکا دیندار ثابت کریں گے کہ معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) نبوت کے قریب پہنچا دیں گے۔ پھر اسی کی کوئی بات اپنی رائے کے خلاف سنیں گے تو اس کو تحت الثریٰ (زمین کی تہہ) میں پھینک دیں گے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ باد کہتے ہیں، شام کو مردہ باد کہنے لگتے ہیں۔ یُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَ یُمْسِیْ کَافِرًا (یعنی صبح کو مومن ہوتا ہے اور شام کو کافر) سے اگر اس کو تشبیہ دوں تو کیا بے جا ہے؟

❷ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ حکیم سے بھی کجی (غلطی) کی بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ دونوں کے مجموعہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اول تو آدمی کی حالت کا پورے غور و تعمق (فکر) سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ اکثر و بیشتر امور میں شریعتِ مطہرہ کا متبع (پاکیزہ دین کے تابع) ہے اور سنتِ نبویہ کا دلدادہ ہے تو بیشک وہ قابلِ اتباع ہے، قابلِ اقتدا ہے۔ پھر اگر کسی کو اپنی پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اس کے خلاف معلوم ہو تو اس بات کو نہ لینا چاہئے۔ لیکن اس کی وجہ سے اس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کر لے اور تم ہمیشہ کے لئے اس سے چھوٹ ہی جاؤ گے۔ یہ اجمال ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا۔ تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے۔

اب موجودہ صورت کو جانچو ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی۔ کیسی ہی معمولی سی بات ہو، کتنی ہی جزوی چیز ہو۔ پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اس کے موافق دیکھ لی یا سن لی تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس کو سراہا جاتا ہے۔ اس کی جا و بے جا حمایت کی جاتی ہے۔ اس میں جو خلاف شرعِ واقعی

باتیں ہوں، ان کو معمولی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اس کو حق کہا جائے، جو غلط ہے اس کو غلط کہا جائے یا کم از کم سکوت کیا جائے۔ لیکن ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ اس شخص کی حمایت میں ان شرعی امور ہی کو سرے سے لغو (بے کار) بتا دیا جاتا ہے، جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے اہم ترین رکن جس کو سینکڑوں احادیث میں کفر و اسلام کا امتیاز بتایا گیا ہے، یعنی نماز، اس کے متعلق بھی ایسے الفاظ ہماری زبان و قلم سے نکلتے ہیں، جن کی نقل سے بھی کوفت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ہمارا ممدوح نماز نہیں پڑھتا، نماز کے ساتھ استخفاف کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کا مضحکہ (مذاق) اڑایا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی تو اس کا ہر فعل عیب ہے۔ جو واقعی خوبیاں اس میں ہیں، وہ بھی سراسر مذمت (برائی) کے قابل سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ شرع اور عقل و فہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے، جس سے نہ گھٹانا چاہئے نہ بڑھانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ. (بروایۃ مسلم و ابی داؤد عن عائشہ رضی اللہ عنہا و رقم لہٗ بالصحۃ) لوگوں کو اُن کے مرتبہ میں رکھا کرو (یعنی نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ)۔ لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں افراط و تفریط (دین کی باتوں میں کمی یا زیادتی) ہے، اعتدال (درمیان) کا ذکر ہی نہیں۔

شدتِ اختلاف کے درجات

علاوہ ازیں اگر میں مان بھی لوں کہ ان حضرات میں شدید اختلاف ہے تو یہ بھی سمجھ لینے کی بات ہے کہ اہل حق میں شدید اختلاف کا ہو جانا نہ منقصت (نقصان دہ) ہے نہ شریعت کے خلاف۔ بلکہ جب کسی امر میں اہلِ حق کے نزدیک اختلاف ہوگا تو جس درجہ کا وہ امر اور وہ اختلاف ہوگا، اسی درجہ کی اُس میں شدت بھی ہوگی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک اَمر کو کوئی شخص فرض سمجھتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے۔ یا ایک شخص واجب سمجھتا ہے، دوسرا مکروہ تحریمی، تو اس میں آپس میں مخالفت منازعت تردید (سخت ترین رد) ضروری ہے۔ یہی چیز ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں قتال تک پر

مجبور کیا۔ ابو داؤد شریف میں ایک حدیث ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ جن کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں" کَذَبَ" (جھوٹ بولا)۔ گو علماء اس ارشاد کی صحابی کی شان میں ہونے کی وجہ سے توجیہ فرماتے ہیں، لیکن ظاہر الفاظ یہی ہیں۔ اس لئے اگر کسی امر حق کی تحقیق میں کوئی لفظ سخت نکل جائے تو اس کی توجیہ ہم کو بھی تو کرنا چاہئے۔ حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں نظیریں اس کی ملیں گی اور یہ حضرات اپنے اس زور وشور میں اس لئے معذور ہیں کہ ان کے پیشِ نظر اَلاَ لاَ یَمْنَعَنَّ رَجُلاً هَیْبَةُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ. (کَذَا فِیْ جَمْعِ الْفَوَائِدِ بِرِوَایَتِ التِّرْمِذِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ مَرْفُوْعًا) جیسے ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت موجود ہیں۔

ترجمہ: "خبردار! کسی شخص کو امر حق کہنے سے لوگوں کی ہیبت (خوف و ڈر) نہ روکے۔"

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نقل فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ بہت سے امور ہم نے دیکھے اور ہیبت ہمارے لئے مانع ہوگئی۔ نیز مشہور حدیث ہے: مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ. "جو شخص کوئی ناجائز چیز دیکھے، اس کو ہاتھ سے بند کردے۔ ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے بند کردے۔ زبان سے بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) دل سے تو اس پر نکیر (برا خیال) کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔" اس قسم کی اور بہت سی نصوص ہیں جن میں سے بعض میں اپنے رسالہ تبلیغ میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ارشادات ان حضرات کو مجبور کرتے ہیں کہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اور جس درجہ کا حق سمجھتے ہیں، اس کو اصرار سے بیان فرمائیں اور شائع کریں اور اس کے خلاف پر نکیر کریں اور شدت سے کریں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ نکیر کرنے والا اس کا اہل ہو کہ نکیر کر سکے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا۔ اس میں نہ تشویش کی کوئی وجہ ہے نہ کوفت کی۔

احقر مؤلف کی تمنا

البتہ یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصًا اپنے اکابر ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں۔ اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت

جاتی رہے گی، لیکن اور بہت سی مضرتوں (نقصانات) سے خلاصی بھی ہو جائے گی۔ مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب وشتم کرے نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی (غیر یقینی) عیوب پھیلائے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم، بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، وہ نبی اکرم ﷺ کے ان ارشادات پر بھی غور کریں: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَّ لاَ لَعَّانٍ وَّ لاَ فَحَّاشٍ وَّ لاَ بَذِيٍّ۔[1] دوسری حدیث میں ہے: سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَّ قِتَالُهٗ كُفْرٌ۔[2]

ایک حدیث میں ہے: يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَ لَمْ تُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لاَ تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَ لاَ تُعَيِّرُوْ هُمْ وَ لاَ تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَ مَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَ لَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔[3]

بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں۔ متحمل (نرم) مزاج بھی ہوں، جائیں، طویل طویل گفتگو کریں۔ مفصل (لمبے) اور پکے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں۔ انشاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں، وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر (کمی) پر میری طرح سے افسوس کریں۔ لیکن گالیاں دینا یہ عام مومنوں کو بھی جائز نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث کو ابھی نقل کیا گیا ہے کہ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ (مومن کو گالیاں دینا فسق ہے)۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عمرو

---

[1] مومن نہ تو طعنے باز ہوتا ہے، نہ لعنت باز۔ نہ فحش گو ہوتا ہے نہ بدگو۔

[2] مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کر ڈالنا کفر کی بات ہے۔

[3] اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام کے مدعی ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ہے، تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچایا کرو اور ان کو عار نہ دلایا کرو۔ ان کے عیوب کے درپے نہ ہوا کرو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کے درپے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ اس کے عیب کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ جل جلالہ جس کے عیب کے درپے ہو جائیں، اس کو پردہ کے اندر سے بھی رسوا فرما دیتے ہیں۔

بن النعمان اور حضرت جابر (جامع الصغیر) اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے۔ پھر چہ جائیکہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینا، برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے کسی کا کیا نقصان ہے۔

من عادیٰ لی ولیا الخ۔الحدیث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ. (مشکوٰۃ، بخاری وغیرہ) جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میری طرف سے اس کو اعلانِ جنگ ہے۔ تم خود سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ سے لڑائی کر کے دنیا میں کون شخص فلاح پا سکتا ہے اور آخرت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اور یہ مضمون کئی حدیثوں میں مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے اس پر متنبہ (سختی سے) فرمایا ہے۔ چنانچہ الفاظ بالا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری شریف میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت حضرت عائشہ، حضرت میمونہ، حضرت معاذ، حضرت انس، حضرت ابو امامہ، وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی نقل کی گئی ہے۔ بعض رواتیوں میں وارد ہے کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو ستایا، وہ میرے ساتھ لڑائی پر اُتر آیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے، جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے۔ (فتح الباری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: معاذ کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے اس (پاک) قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی، اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (مبادا میں کہیں مبتلا ہو جاؤں)۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے۔ (حاکم مستدرک) ایک حدیث میں آیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ جل جلالہٗ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے، وہ مجھ سے لڑنے کے لئے

مقابلہ میں آتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت میں ایسا ناراض ہوتا ہوں، جیسے غضبناک (غصہ والا) شیر۔ (درمنثور)[1]

کتنا سخت اندیشہ ناک معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کی لڑائی ہو، اس کا بھلا ٹھکانا کہاں۔ اور پھر اگر اس کے معاوضہ (مقابلہ) میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، ناک کان آنکھ جاتے رہیں، تب بھی سہل ہے کہ دنیا کی تکلیف بہرحال ختم ہونے والی ہے اور اس نوع کے نقصان سے توبہ کی امید ہے۔ لیکن خدانخواستہ کوئی دینی نقصان پہنچ جائے، کسی بددینی میں مبتلا ہو جائے تو کیا ہو۔ ائمہ نے کہا ہے کہ گناہوں میں کوئی گناہ بھی ایسا نہیں ہے، جس کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا ہو، بجز اس گناہ کے اور سود کھانے کے، کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں کو اپنے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا گناہ بہت ہی زیادہ بڑھا ہوا ہے اور ان لوگوں کے سوء خاتمہ (برا خاتمہ) کا سخت اندیشہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)۔ صاحب مظاہر حق نے بھی لکھا ہے کہ اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے خاتمہ بد ہونے پر۔ ایک مسلمان کے لئے خاتمہ بالخیر ہونا انتہائی مرغوب (بہترین) اور لازوال (ہمیشہ کی) نعمت ہے اور جس چیز سے خاتمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تم ہی سوچو کہ کتنی خطرناک چیز ہوگی۔

شیخ احمد نے جامع الاصول میں لکھا ہے: ان حضرات صوفیہ پر انکار کرنا جو سنت کے متبع ہوں اور بدعت کے توڑنے والے ہوں، بالخصوص وہ حضرات جو علم نافع اور عمل صالح رکھتے ہوں اور معارف و اسرار کے حامل ہوں، زہر قاتل ہے اور بڑی ہلاکت ہے۔ بڑی سخت وعید اس بارہ میں وارد ہوئی ہے اور یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ جل جلالہ سے اعراض ہے اور وہ امراض سے بھرا ہوا ہے۔ ایسے شخص کے خاتمہ کے خراب ہونے کا (معاذ اللہ) اندیشہ ہے۔ اس کے بعد موصوف نے بہت طویل بحث اس میں کی ہے، جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال

---

[1] حضرت وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت داؤدؑ کی کتاب (زبور) میں اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ میری عزت وجلال کی قسم ہے جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ مجھ سے مقابلہ پر اُتر آیا ہے۔ درمنثور ج ۴ ص ۱۸۹

میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں، ورنہ مجھ سے تعلق نہ رکھیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی ہمیشہ اس کی خصوصیت سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔

تفسیر آیہ کریمہ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ

حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کے ذیل میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے کہ اُن یہود کو کفر اور انبیاء کے قتل پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی اور یہ خصلت نافرمانی کی ان میں آہستہ آہستہ محکم (مضبوط) ہوتی گئی اور یہ لوگ گناہوں میں حد سے تجاوز کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ان گناہوں کو بہتر جاننے لگے اور جو ان کو گناہوں سے منع کرتا تھا، اس کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انبیاء کو جو گناہوں کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے تھے، قتل کر ڈالا اور قرآن کی آیات کا صریح انکار کیا۔ اور یہ گناہ کی نحوست ہوتی ہے کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور (نقصان) پھر تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء ربّانی (بڑے علماء) گناہوں کی مداومت سے نہایت ہی تاکید سے منع کرتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ (آہستہ آہستہ) اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور جو چیز ان سے مانع ہو، اس کی برائی دل میں جم جاتی ہے، حتیٰ کہ اخیر نوبت کفر کے حدود تک پہنچ جاتی ہے۔

مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ الخ

چنانچہ کہا جاتا ہے: مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَ مَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَ مَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ۔ جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے، اس کو سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے، اس کو فرائض کی محرومی سے سزا دی جاتی ہے۔ اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے، وہ معرفت کی محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے۔ شریعت کے معمولی

آداب کو بھی استخفاف (بے کار) اور فضول سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے کہ اس سلسلہ کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت سے محرومی کا سبب بنتی ہے۔ چہ جائیکہ اہل اللہ کے احترام کو جو اہم آداب میں ہے۔ اور جب آداب کے ساتھ استخفاف کا سلسلہ فرائض کے استخفاف اور منتہا (آخر) میں کفر تک پہنچانے والا ہو تو تم ہی سوچو کہ کتنا خطرناک معاملہ ہے۔ لوگ معمولی آداب اور معمولی گناہوں کو ہلکا سمجھ کر لاپروائی کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دین کا ہر ہر جز کچھ ایسا آپس میں مربوط (ملا ہوا) ہے کہ ہر کڑی دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم کسی بدعت کو اختیار کرتی ہے، اللہ جل شانہ ایک سنت ان سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹتی۔ (مشکوٰۃ شریف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ جل شانہ کسی شخص کے ہلاک فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے حیا اور شرم کو زائل کر دیتے ہیں اور جب وہ بے شرم بن جاتا ہے تو اس کو دیکھے گا، وہ غصیارہ اور لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بن جائے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس سے امانت زائل ہو جائے گی اور وہ خائن (خیانت کرنے والا) بن جائے گا اور علی الاعلان خیانت کرنے لگے گا اور جب اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس کے دل سے رحمت نکال لی جائے گی اور وہ مخلوق پر شفقت نہ کرے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو لوگوں کے یہاں مردود (ذلیل) اور ملعون بن جائے گا اور جب اس درجہ پر پہنچ جائے گا تو تُو دیکھے گا کہ اسلام کی رسّی اس کے گلے سے نکل جائے گی (یعنی کافر بن جائے گا) (جامع الصغیر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص کسی مسلمان کو اذیت (تکلیف) پہنچاتا ہے، وہ مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اور جو مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچاتا ہے (جامع الصغیر) کتنی سخت بات ہے کہ جب عام مسلمانوں کا یہ حکم ہے تو اللہ والوں کو اذیت پہنچانا، جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں، کتنا سخت ہوگا۔

اہل اللہ پر اعتراض

علامہ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوتراب بخشی جو مشائخ صوفیہ میں ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا دل اللہ جل شانہ سے اعراض کے ساتھ

مانوس (پسند کرنے والا) ہو جاتا ہے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنا اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے نامانوس ہو جاتا ہے تو وہ اہل اللہ پر اعتراض کرنے کا خوگر (کے درپے) ہو جاتا ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

شیخ ابوالحسن شاذلی جو اکابر صوفیہ اور مشہور ائمہ تصوف میں ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ ہمیشہ سے ابتلا (امتحان) رہتا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو اولیاء کا اعتقاد تو ظاہر کرتے ہیں لیکن خاص خاص اللہ والوں کی نسبت یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ یہ ولی کیسے ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص خود ولایت سے ناواقف ہے، وہ کیسے کسی کی ولایت (بزرگی) کا انکار کر سکتا ہے۔ شیخ نے آگے چل کر ان اسباب کو مفصل ذکر فرمایا ہے جو مشائخ پر انکار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض مشائخ لوگوں کی نگاہ سے اس وجہ سے مستور ہوتے ہیں کہ وہ اُمراء اور اغنیاء سے ملتے جلتے ہیں اور ان لوگوں کو اس اعتراض کا موقع ملتا ہے کہ اگر یہ اللہ کے ولی ہوتے تو یکسوئی کے ساتھ کونے میں بیٹھ کر علم و عبادت میں مشغول ہوتے۔ لیکن وہ معترض اگر اپنے دین کی حفاظت کرتا تو یہ بھی غور کرتا کہ یہ امراء سے ملنے والا شخص اپنی ذات کے لئے مل رہا ہے یا کسی دینی غرض اور دینی منفعت کے لئے یا مسلمانوں کی کسی بہبود کے لئے اور اُن سے کسی مضرت (نقصان) کے رفع کرنے کے لئے مل رہا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات ایسی مصالح کی بناء پر ان لوگوں سے ملنا واجب ہو جاتا ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا حرام بن جاتا ہے (طبقات)

اہل اللہ کبھی انتقام بھی لیتے ہیں اور اس کی مصلحت

یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ اہل اللہ بعض مرتبہ اپنے بُرا بھلا کہنے والے سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ چیز ظاہر بینوں کے لئے حجاب کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات یہ بڑی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ

(حضرت مجدد صاحب کے والد) شیخ عبدالاحدؒ کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی۔ انہوں نے صبر و سکوت فرمایا۔ اتنے میں دیکھا کہ غیرتِ الٰہی جوشِ انتقام میں ہے۔ شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا، کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے۔ اس کو تردد (بڑا عجیب معلوم) ہوا۔ ادھر وہ عوت گر کر مر گئی۔ اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تو اس نوع کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلا سے بہت سہل ہے۔

حضرت شیخ علی خواصؒ جو مشہور اولیاء میں ہیں، فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ پر (بلا کسی شرعی وجہ کے) اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہِ حفاظت سے گر جاؤ گے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار ہو گے۔ (طبقات کبریٰ)

شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں ہے کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے (نزہۃ البساتین) اس لئے تمہیں خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ والوں سے جتنی محبت اور تعلق پیدا کر سکو، اس میں ذرا کمی نہ کرنا۔ امید ہے کہ میری یہ نصیحت قبول کرو گے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

اہل اللہ سے محبت اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے، جن سے محبت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے؟

(کہ انتظار و اشتیاق میں ہے) انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے سوا کچھ تیار نہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول سے مجھے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی، کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے جتنی بھی خوشی ان حضرات کو ہوئی ہو، قرین قیاس (بالکل واضح) ہے۔ میں ان حضرات کی محبت کے چند قصے اپنے رسالہ حکایاتِ صحابہ[1] میں نمونے کے طور پر لکھ چکا ہوں، اس کو بھی ایک نظر ضرور دیکھو۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ دین پر مرمٹنا کیا ہوتا ہے اور ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے، لہٰذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ) یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے، جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اہل اللہ سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے، وہ اکسیر ہے، دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے۔

دست در دامن مرداں زن و اندیشہ مکن ۔۔۔ ہر کہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

اہل اللہ سے جتنی بھی محبت پیدا کر سکو، دریغ نہ کرنا اور بے دین لوگوں سے جتنا بھی ممکن ہو، احتراز کرنا اور یکسو رہنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح اور بہتر ہم نشین (دوست) کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مشک والا ہو کہ اگر اس سے مشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو تو پہنچے ہی گی۔ اور بُرے ہم نشین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھٹی کا دھونکنے والا ہو کہ (اگر کوئی چنگاری وغیرہ گر گئی تو) بدن جلا دے گی یا کپڑے جلا دے گی اور (اگر چنگاری نہ بھی اڑے تو) اس کا دھواں اور بُو تو پہنچے ہی گی۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔

---

[1] حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جاہل کی دوستی میں کبھی رغبت نہ کرنا کہ تیرے تعلق سے وہ اپنی حرکتوں کو تیری نگاہ میں اچھا سمجھنے لگے اور حکیم کی ناراضی کو ہلکا نہ سمجھنا کہ وہ اس وجہ سے تجھ سے اعراض کرنے لگے۔ (در منثور) ج ۵ ص ۱۶۳

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت ہے کہ بیٹا! صلحاء کی مجلس میں بیٹھا کر، اس سے تُو بھلائی کو پہنچے گا اور اُن پر رحمت نازل ہوگی تو تُو اس میں شریک ہوگا۔ اور بُروں کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کہ اس سے بھلائی کی توقع نہیں، اور کسی وقت ان پر کوئی آفت نازل ہوئی تو تُو بھی شریک ہو جائے گا۔ (در منثور ج ۵ ص ۱۶۴) اس لئے بُری صحبت کے اثرات سے بہت احتراز کرنا چاہئے اور اللہ والوں کی صحبت اور اُن کے پاس بیٹھنے کو اکثیر سمجھنا چاہئے۔ ان کی صحبت نیک اعمال کی ترقی کا سبب ہوتی ہے۔ البتہ جیسے ہر چیز میں اصلی و نقلی کا امتیاز کیا جاتا ہے، سچ اور جھوٹ کو پرکھا (معلوم کیا) جاتا ہے، یہاں بھی فریب اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔

اے بسا ابلیس کا دم روئے ہست　　　پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

قابلِ صحبت مؤمن کا معیار

مغالطہ سے بُرے کو بھلا سمجھ کر پھنس جانا زیادہ نقصان دہ ہے، اور اس کا معیار شریعتِ مقدسہ کا عمل ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں، شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہو، نماز، روزہ اور شریعت کے سب احکام کا پابند ہو، وہ نیک ہے۔ شریعت کے خلاف چل کر کوئی شخص نیک نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ بن جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں، جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو۔ جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔'' (جامع الصغیر ورقم لہ بالصحۃ)

اس لئے محبت اور تعلق رکھنے کے لئے یہ شرط تو ضروری ہے کہ اس کے دینی حالات معلوم ہوں اور شریعت کے موافق اس کا ہونا محقق ہو جائے۔ لیکن جس شخص کا حال معلوم نہیں، نہ یہ معلوم کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا مخالف، اس سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔ البتہ محض سنی سنائی باتوں سے اس پر کوئی حکم لگا دینا یا بُرا بھلا کہنا بے جا (غلط) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا

اگر تو اس پر قادر ہو کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر۔ یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو پسند کرتا ہے، وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہے۔ (مشکوٰۃ)

سوال نمبر۲ : تیرے نزدیک کون حق پر ہے اور ان مسائل میں تیری کیا رائے ہے؟

میرے خیال میں تمہارا یہ سوال اس قدر مہمل (بے کار) ہے کہ جواب کے قابل بھی نہ تھا۔ اللہ کے بندے! اتنا تو سوچا ہوتا کہ ان حضرات کا علم وفضل، زہد وتقویٰ، دیانت وتبحر، اللہ کا خوف، اللہ سے تعلق، دینی اشتغال، دینی تصلب (سختی کرنا) کون سی چیز ایسی ہے جس کے پاسنگ (ایک طرف) میں بھی اپنے کو رکھ دوں۔ ایسی صورت میں میرا منہ یا میرے قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان اکابر میں محاکمہ (فیصلہ) کروں۔

دو شخصوں کے درمیان محاکمہ کی صورت

سنو! دو آدمیوں کے درمیان محاکمہ جب ہی ہو سکتا ہے جب محاکمہ کرنے والا ان میں محاکمہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو اور پھر دونوں کی پوری پوری سنے اور سننے کے بعد ان کے کلام کا وزن دیکھے۔ ہر ایک کے اشکالات کا دوسرے سے جواب مانگے اور پھر جواب الجواب اور اس ساری تحقیقات کے بعد پھر دیکھے کہ کس کی بات وزنی ہے۔ پھر کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ اب تم خود اندازہ کر لو کہ اوّل تو میری حیثیت ہرگز ایسی نہیں کہ ان حضرات سے مساویانہ (برابر کی) گفتگو کر سکوں اور اگر بفرض محال ان کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا میری یہ بھی حیثیت ہے کہ میں اس میں توازن قائم کروں۔ میری حیثیت یہ ہے کہ میری پختہ رائے کے بعد بھی اگر یہ حضرات کسی بات کو فرما دیں کہ یہ غلط ہے تو مجھے اس کو قبول کرنا چاہئے، چہ جائیکہ اس پر نقد وتبصرہ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے، نام محمد فاضل۔ دو اخبار پڑھ لئے یا ایک مہمل مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر لئے ہوئے ہیں۔

کسی چیز پر لب کشائی کے لئے اس کے مالہ و ما علیہ پر عبور ضروری ہے

ہمیشہ یاد رکھو، کسی پر تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے۔ یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناپ (اِدھر اُدھر کی) ہانکنا شروع کردے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادرک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ نے علاماتِ قیامت میں اِعْجَابُ كُلِّ ذِیْ رَایٍ بِرَایِهٖ بھی ارشاد فرمایا ہے (ہر ذی رائے کا اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنا) جس کا آجکل ظُہور علی الْوَجہ الاَتَم (مکمل طور پر) ہو رہا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے، ہمچو من دیگرے نیست کہ جو میری سمجھ میں آ گیا ہے وہی حق ہے۔ چاہے کوئی بڑا کچھ کہے یا چھوٹا، عالم کہے یا مدبر (عقلمند)۔

غور تو کرو کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ ادام اللہ ظلال برکاتہ، ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل عالم فاضل ہوئے۔ اس کے بعد سے آج ۱۳۵۷ھ تک درس تدریس، قال اللہ، قال الرسول، استفادہ و افادہ باطنی میں انہماک (مشغول ہونا)۔ یہ نصف صدی سے زیادہ زمانہ فقہ اور اصول قرآن اور حدیث کے غور وخوض اور افہام و تفہیم میں گزر گیا۔ جس مبارک ہستی کا اتنا وسیع وقت علوم کے تدبر میں گزرا ہو، نکات قرآنیہ اور دقائق فقہیہ (دین کے مشکل مسائل) میں اتنی مدت گزری ہو، اس کی نظر ایسی چیز ہے جس کو بے دھڑک ہر آدمی لغو اور غلط کہہ دے۔

اسی طرح امیر الہند حضرت مدنی ۱۳۱۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور آج تک کا سارا زمانہ درس و تدریس استفادہ اور افادہ باطنی میں گزرا۔ سالہا سال حضرت شیخ الہندؒ جیسے محقق متبحر (عظیم شخصیت) کے زیر سایہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں مہارت حاصل کی اور پھر عمر کا اکثر حصہ سیاسی مناظر اور قید و بند ہند و بیرون ہند کے تجربات میں گزرا۔ کیا یہ ہستیاں ایسی ہیں کہ ہر کہ ومہ (عام قسم کا شخص) ان کی دقیق نظروں کا مقابلہ کرنے لگے اور بے دھڑک ان پر رائے زنی شروع کردے۔ اور پھر بالخصوص مجھ جیسا کوتاہ نظر جو ابھی طفل مکتب (مدرسہ کا بچہ) ہو، کے آمدی کے پیر شدی کا مصداق ہو۔ میں تو جب

ان حضرات اکابر کے نام اشتہارات اور اخبارات میں کھلے خط دیکھتا ہوں، محو حیرت (حیرت زدہ) ہو جاتا ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ عالم میں کیسا انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا ہے۔ پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں، تب بھی ایک درجہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اہل قلم جن کا منتہائے علم (سارا علم) ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا ہے یا ایک شستہ تقریر کر دینا ہے، ایسے بے جا الفاظ سے رد کرتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی استعمال کرنا ناموزوں (ناپسندیدہ) ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرے استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔

میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو۔ ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ وما علیہ پر عبور (اول سے آخر تک مکمل معلومات) ہو۔ دو شخصوں کے درمیان میں محاکمہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے، جب ان دونوں کے پورے دلائل پر عبور ہو۔ البتہ کسی شرعی منصوص کے خلاف کوئی چیز ہو تو اس میں کسی کی بھی رعایت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں۔ بلکہ فقہاء سلف کے منصوص اقوال کے خلاف بھی مقلد کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن جہاں مسئلہ استنباط سے تعلق رکھتا ہو، نصوص شرعیہ ہر ایک کے ساتھ ہوں، وہاں جلدی سے دخل در معقولات کر کے فوراً محاکمہ کر دینا حماقت ہے۔ میں تم کو بڑے زور سے روکتا ہوں کہ اہل حق پر انکار کرنے میں کبھی بھی جلدی نہ کرنا۔ بہت غور و فکر اور تدبر کے بعد لب کشائی (کوئی فیصلہ) کرنا۔ جہاں تک ممکن ہو، اس سے گریز کرنا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائیوں کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مشہور مقولہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے، انہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی لڑائی میں کس قدر بہترین فیصلہ کیا۔ **تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ اَيْدِيَنَا مِنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ اَلْسِنَتَنَا بِهَا** "ان خونوں سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم اپنی زبان کو کیوں ان سے آلودہ کریں۔" اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اعلیٰ و ارفع ہے، دوسروں کو ان پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے تو

میں کہوں گا کہ وہاں لب کشائی سے بچنے والے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، جو جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السّلام کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ قرآن پاک میں مفصل مذکور ہے۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام) پر رحم فرمائیں اگر وہ سکوت کرتے تو اور بھی عجائبات حضرت خضر کے کارناموں کے معلوم ہوتے۔

ہدایت اور گمراہی کے اعتبار سے امور کی تین قسمیں ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا رُشد (ہدایت) ہونا کھلا ہوا ہو، ان کا اتباع کرو۔ دوسرے وہ امور ہیں جن کو گمراہی ہونا کھلا ہوا ہو، ان سے اجتناب کرو۔ تیسرے وہ ہیں جن میں اختلاف ہو، اُن کو اُن کے عالم کے حوالہ کرو۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ موثوقون کذافی مجمع الزوائد) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری (جلد باز) ہے، وہ جہنم پر زیادہ جری ہے۔ (دارمی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر استفتاء کا جواب دے، وہ مجنون ہے۔ (دارمی)

مقصود یہ ہے کہ بہت سے استفتاء فضول مد میں کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل عام دستور ہے کہ استفتاء سے مقصود عمل کم ہوتا ہے، کسی کو رُسوا (ذلیل) کرنا، کسی کے خلاف سازش کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اس چیز میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ نیز بسا اوقات مسئلہ میں اشتباہ بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خواہ مخواہ فتویٰ دینا بھی جرأت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال کھلا ہوا ہے، حرام کھلا ہوا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں، جن میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ اس لئے جہاں ایسی جزئیات پیش آئیں، ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا چاہئے۔

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ .الحدیث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرُوا السَّاعَۃَ۔

جب امور نااہلوں کے سپرد کیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (اشاعۃ بروایۃ البخاری) اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ محقق علماء کے درمیان میں جاہل لوگ محاکمہ شروع کر دیں۔ نیز دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے لوگوں سے علم کا تلاش کرنا بھی علاماتِ قیامت میں شمار فرمایا ہے۔ میرا مقصود ان سب آثار و روایات سے یہ ہے کہ جو چیزیں استنباط سے تعلق رکھتی ہیں، کوئی نص شرعی تصریح سے ان کو متناول (شامل) نہیں، ان میں اہل حق کی تردید میں جلدی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ بالخصوص چھوٹوں کو لب کشائی کرنا بہت ہی زیادہ بے محل (غلط) ہے۔ ہاں جو شخص عملی حیثیت سے برابر کا ہو، اُس کو یقیناً حق ہے کہ بے تامل (بغیر غور و فکر کے) رد کرے۔ البتہ کوئی چیز صراحۃً نصوص کے خلاف ہو تو اس میں یقیناً لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ. (اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں) صاف اور واضح اعلان ہے۔ اب غور سے سنو کہ مسائل حاضرہ میں اصل مدار اسلام اور مسلمانوں کی منفعت پر ہے اور اس کلیہ کے تحت میں تقریباً تمام جزئیاتِ حاضرہ داخل ہیں۔

مقاصد کے اختلاف سے حکم بدل جاتا ہے

اس میں حسب قوائد شرعیہ اَلاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا وَالشَّیُٔ الْوَاحِدُ یُتَّصَفُ بِالْحِلَّةِ وَ الْحُرْمَةِ بِاعْتِبَارِ مَا قُصِدَ لَهٗ. (مقصد کے اعتبار سے امور کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور ایک ہی شے مقصد کے اختلاف کے اعتبار سے حلال و حرام کے ساتھ متصف ہو سکتی ہے) یُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَام (خصوصی نقصان عمومی نقصان کے مقابلہ میں قابلِ برداشت ہے) مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا (جو دو مصیبتوں میں گرفتار ہو، وہ کم درجہ مصیبت کو اختیار کرے) اِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ غُلِّبَ الْحَرَامُ. (جس چیز میں حلال اور حرام دونوں شامل ہو جائیں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے) وغیرہ وغیرہ۔ ایسے قواعد کلیہ ہیں کہ ان کے تحت میں جزئیات کا داخل کرنا اور ان سے جزئیات کا استنباط کرنا ہر کہ ومہ (عام شخص) کا کام نہیں ہے۔ وہی ان قواعد سے جزئیات کا جواز و عدم جواز نکال سکتا ہے جو قواعدِ شرعیہ سے پورا واقف ہو اور جو شخص نصوصِ شرعیہ، حدودِ شرعیہ اور قواعدِ فقہیہ سے واقف نہ ہو، وہ محض کسی آیت کا

ترجمہ دیکھ کر یا حدیث کا ترجمہ دیکھ کر فتاویٰ جاری کرنے لگے تو اس سے زیادہ بددینی کیا ہوگی۔ انہیں قواعد کے تحت میں موجودہ اختلاف بھی ہے کہ ایک مشترک مقصد یعنی اسلام کی اور مسلمانوں کی منفعت اور ان کو مضرت دینی سے بچانا دونوں حضرات کا مشترک مقصد ہے اور ہونا بھی ضروری ہے کہ ادنیٰ سا مسلمان بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اسلام کو یا مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچے، چہ جائیکہ اولیاء اللہ اور محقق علماء کے متعلق اس قسم کی بدگمانی کی جائے یہ کتنی سخت غلطی ہوگی۔ اس کے بعد اس مقصد کے حصول کے وقت دو راستے ہیں اور دونوں خطرات سے خالی نہیں ہیں اور اس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ اب زیرِ بحث مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کس طریقہ میں مضرت زیادہ ہے کس میں کم ہے۔ کون سی مضرت قابلِ تحمل (تکلیف برداشت کے قابل) ہے، کون سی مضرت ناقابلِ برداشت ہے۔ کون سا نقصان عام ہے اور کون سا خاص ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ ان دو ڈرائیوروں کی سی ہے جن کو مثلاً مکہ مکرمہ جانا ہے اور موٹروں کو ان کچے راستوں سے لے جانا ہے جن میں دلدلیں ضرور ہیں، لٹیروں کا ملنا بھی یقینی ہے، خطرات بھی لازمی ہیں۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کون سا ایسا راستہ ہے کہ جس میں خطرات کم ہیں اور کون سا ایسا ہے جس میں خطرات زیادہ ہیں۔ کون سے راستے پر چل کر پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہے اور کس راستے سے جانے سے دلدل میں پھنس کر راستہ میں ایسے پھنس جانے کا خطرہ ہے کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن (نہ جا سکے نہ رُک سکے) کا مصداق بن جائے۔ کس راستہ میں یہ خطرہ ہے کہ کوئی مقامی حکومت قافلہ کو ایسا گرفتار کر لے کہ نہ واپس آنے دے نہ آگے جانے دے۔ ایسی صورت میں اگر دو ڈرائیوروں میں راستہ کے بارہ میں اختلاف ہو اور ہر ایک کے نزدیک ایک راستہ پر سے جانے میں منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کا غلبہ ظن ہو اور دوسرے میں خطرہ یقینی اور قطعی ہو تو اس میں کیا تو الزام ہے ڈرائیوروں پر اور کیا ذمہ داری ہے اس کی کہ جس راستہ پر وہ لے جانا چاہتے ہیں اس میں کوئی خطرہ نہیں یا منزلِ مقصود تک پہنچنا یقینی ہے۔ ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو ڈرائیور راستوں کے خطرات کی اصلاح کی فکر میں ہوں، دن رات اسی سوچ میں گھلے جاتے ہوں، قافلہ کو کس طرح منزلِ مقصود تک پہنچائیں، وہ قابلِ شکر گزاری ہیں یا قابلِ ملامت و دشنام (یعنی ان کو ذلیل کرنا) ہیں۔

وہ اس قابل ہیں کہ ان کی جو اعانت ممکن ہو کی جائے یا اس کے قابل ہیں کہ جو مشکلات ان کے راستہ میں حائل کی جاسکتی ہوں ان سے دریغ نہ کیا جائے، اور ایسے مسافر جو اپنے رہبروں کے انتظامات میں مشکلات حائل کرتے ہیں، وہ اپنے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنی قوم کے دینیات کو خطرہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں۔ میں پھر وہی کہوں گا کہ جس شخص کو اپنی بصیرت سے، اپنے تجربہ سے کسی ایک جانب خطرہ کم معلوم ہوتا ہے، وہ اس راستہ پر ضرور چلے، لیکن یہ کدھر کا انصاف ہے کہ دوسرے ماہر تجربہ کاروں کو سب وشتم (گالی گلوچ) کرے یا ان کو ستائے۔

تقسیم اور عدمِ تقسیم ہند کے بارے میں اکابر کے دو الگ الگ نظریئے

تمہیں معلوم ہے کہ ہندوستان میں دو نظریئے تقریباً پچاس برس سے چل رہے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اُن کو ہندوستان میں سیاسی جدوجہد دوسری اقوام کے ساتھ مل کر کرنا ضروری ہے ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی کا مثمر (کوشش کا فائدہ) ہونا مشکل ہے، گو اس اتحاد میں کچھ تسامح (چشم پوشی) بھی کرنا پڑے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہنود کی تنگ نظری سے ان کے ساتھ ملنے میں مقصد تک پہنچنے سے قبل ہی بہت سے دینی اور دنیاوی نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے اور مقصد تک پہنچنا یقینی نہیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ مستقل جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

میرے اکابر ان نظریوں میں ہمیشہ مختلف رہے ہیں اور اب تک ہیں۔ دونوں نظریئے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں۔ کسی ایک کو بھی قطعی طور پر غلط نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ جس کے نزدیک جو چیز اہم ہو، جس صورت میں نقصان کم ہو، اس کو اختیار کرے اور اپنے دوستوں کو بھی ضرور مشورہ دے کہ اس راستہ پر چلنا مفید و مناسب ہے اور دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ بین بین نکل سکتا ہو تو اس کو اختیار کر لے۔ بشرطیکہ کوئی رہبر، کوئی ڈرائیور ساتھ ہو۔ کوئی راستہ پر چلانے والا ہمراہ ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ ہم لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں اور پھر

ایسے لوگوں کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں شروع کر دیتے ہیں جن کو ہم اپنا مقتدا، اپنا رہبر بھی مانتے ہیں اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو، جو ہم لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں تو مقتدیوں کا حال خود ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نااہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو اوصافِ جمیلہ کبھی مسلمانوں کی شایانِ شان تھے، وہ آج دوسرے لوگ اختیار کر رہے ہیں اور مسلمان اُن کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ آج دوسری قوموں میں باوجود شدید اختلافات کے آپس میں اتحاد ہے، اتفاق ہے۔ ایک کو دوسرے کی رائے کی باوجود مخالفت کے وقعت (قدر) ہے۔ وہ اندر خانہ اور درپردہ بلکہ علی الاعلان مخفی مشورے بھی آپس میں کر لیتے ہیں اور ہم لوگ کسی بڑے کا اتباع اور اس کی حمایت یا اس کی جماعت میں ہونا اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کی مخالف جماعت سے برسرپیکار رہیں۔ اس کی توہین و تذلیل کے درپے رہیں۔ گو اس میں خود ہمارا نقصان ہو جائے، ہماری بدنامی ہو جائے، مگر دل ٹھنڈا جب ہی ہوگا جب دوسری جماعت کی کوئی رسوائی ہوگی۔ اس کا کوئی عیب طشت از بام ہوگا۔

آپس کے اتفاق و اتحاد کی چند خاندانی نظیریں

خیرالقرون اور اسلاف کا ذکر نہیں، میں نے قریب ہی زمانہ کے اپنے خاندانی بزرگوں کے قصے کثرت سے سنے ہیں کہ آپس میں جائیدادی قصوں میں مقدمہ بازی ہے مگر کیرانہ تحصیل میں جو کاندھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے، اکثر دونوں فریق ایک ہی بہل میں چلے جاتے تھے۔ جس فریق نے اپنی بہل جڑوالی، دوسرا بھی اُسی میں چلا گیا۔ انہی واقعات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات سنی ہے کہ دو عزیزوں میں طویل مقدمہ بازی تھی۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اسی دوران میں مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا۔ مدعی نے مرحوم کی اہلیہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ میری لڑائی بھائی سے تھی۔ تم جیسے اُن کی چھوٹی تھیں میری بھی چھوٹی ہو۔ تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ کاغذات ارسال ہیں۔ جو تم طے کردو گی اور تجویز کرلو گی، وہی مجھے منظور ہے۔

اسی صدی کا قصہ ہے اور دنیاداروں کا واقعہ ہے۔ کیا آجکل دیندار کہلانے والے

بھی ایسا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم لوگوں کی مساعی بجائے تخریب (کوشش بجائے اختلاف) کے تعمیر میں خرچ ہوتیں۔

سوال نمبر۳: ہمیں کیا کرنا چاہئے، کیا مر رہنا چاہئے؟ تُو کہیں شریک کیوں نہیں ہوتا؟

مر رہنا تو قبضہ کی بات نہیں ہے۔ موت کا ایک وقت متعین ہے۔ وہ نہ اس سے پہلے آ سکتی ہے نہ مؤخر ہو سکتی ہے۔ اور خودکشی حرام ہے کہ اس سے دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہے۔ ایسے بیہودہ الفاظ زبان سے نکالنا بھی نہ چاہئیں۔ دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ آدمی کو اس میں کوئی دین کا کام ضرور ہی کرنا چاہئے اور اصل یہ ہے کہ صرف دین ہی کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے۔ اگر آدمی دین کے کسی کام میں نہ لگے تو اس میں اور چوپایوں میں کیا فرق ہے۔ محض کھانے پینے میں تو حیوانات ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔

بہرحال اس سوال کے دو جز ہیں۔ ایک میری ذات کے متعلق دوسرا تمہارے متعلق۔ اور یہ دوسرا جز دو نوع کو شامل ہے۔ ایک طلبہ کے متعلق، دوسرا عوام کے۔ اس لحاظ سے تین جز سوال کے ہو گئے۔

(۱) میری ذات کے متعلق یہ صحیح ہے کہ میں حتی الوسع اس کی کوشش کرتا ہوں کہ کہیں بھی شریک نہ ہوں۔ مگر میں اس کو خوبی نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ضعف اور اپنی نااہلیت سمجھتا ہوں۔ اس لئے یہ چیز قابلِ التفات نہیں اور اسی وجہ سے جو مجھے بُرا کہے، میں سمجھتا ہوں کہ صحیح کہہ رہا ہے۔ اس میں زیادہ دخل میری طبعی وحشت کو بھی ہے۔ ہر شخص کا ابتدائی نشو ونما (رہن سہن) جس طریقہ پر ہوتا ہے، وہ اس کی تقریباً فطرت بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکابر کی خواہش ہمیشہ یہی رہا کرتی ہے کہ بچوں کو ابتداء ہی سے دین اور دینیات کے ساتھ وابستہ کیا جائے تاکہ دین کا اہتمام ان کی طبیعت بن جائے۔ اسی وجہ سے شریعت مطہرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ حالانکہ سات برس کی عمر میں بچہ مکلف (پابند) بھی نہیں ہوتا۔ مگر یہ تجربہ ہے کہ جو بچپن میں نماز کا عادی ہو جاتا ہے،

اس کو ہمیشہ کے لئے نماز سہل ہوتی ہے۔

بندہ (مؤلف) کی ابتدائی تربیت

میری ابتدائی تربیت جن اصول کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ برس کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحبؒ یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دوحضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اور اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سِوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلۃ ولیلۃ (یعنی دلچسپ بات) بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گزری۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھ کو نباہنے (پورا کرنے) کی توفیق عطا فرمائی، جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں۔

مثال کے طور پر ایک قصہ لکھتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا نیا جوتا مدرسہ میں سے کسی نے اٹھالیا تو تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلاء میں ایک دو جوتے جو کسی کے پُرانے ہو جاتے ہیں، وہ ڈال دیتا ہے، جو اب تک بھی دستور ہے۔ اس وجہ سے مجھے کسی ضرورت کے واسطے بھی مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا نہ جوتے کی ضرورت ہوئی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات گزرے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے۔ کسی مجمع میں مجھے جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے۔ حتیٰ کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون

ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو۔ بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو۔ جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے۔ مجھے تقریبات میں بھی شرکت سے وحشت ہوتی ہے۔ ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لئے دقت (پریشانی) کا سبب ہے۔

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پُرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں مارا

اس کے علاوہ ایک عارضہ یہ بھی پیش آ گیا کہ جلسوں میں مقررین حضرات تقاریر کے زور میں ایسے اُونچے اُونچے لفظ فرما دیتے ہیں کہ ان پر سکوت شرعاً مشکل معلوم ہوتا ہے اور بولنے سے اختلاف کی خلیج وسیع (حد بڑی) ہوتی ہے اور جلسہ میں گڑبڑ پیدا ہوتی ہے۔ حضرات مقررین کی تقریر ہی جب مؤثر ہوتی ہے، جب وہ جوش میں ان کہنی بھی کہہ جائیں۔ اور مجھ جیسے وہمی کو ہر چیز پر یہ سوچ کہ یہ کہنا جائز تھا یا نہیں۔ اَنَا تَقِیٌ وَ اَنْتَ مَتِیٌ فَکَیْفَ نَتَّفِقُ۔

چند سال ہوئے ایک جلسہ میں یہاں سہارنپور ہی میں شرکت کی نوبت آئی۔ مقرر صاحب نے ایک بات ایسی ہی فرما دی جو صریح غلط تھی۔ ہمارے ناظم صاحب سے نہ رہا گیا، فوراً ٹوک دیا۔ انہوں نے گرانی سے قبول کرلیا اور کہہ دیا کہ یہ مولانا صاحب یوں فرماتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کچھ اور کہہ دیا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادہ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم بھی شریکِ جلسہ تھے، دوبارہ انہوں نے ٹوک دیا۔ وہ صاحب اچھا اچھا فرما کر آگے چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب نے جن کا میں نام نہیں لکھتا، ٹوک دیا۔ مقرر صاحب کو اس قدر غصہ آیا کہ تقریر ہی بند کردی۔ کہنے لگے کہ آپ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں کہ میں تقریر کروں۔ اس کے ساتھ ہی جلسہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ آدھے آدمی اِدھر آدھے اُدھر۔ ہر شخص مستقل اہل الرائے اور اہل فتویٰ۔ کوئی مقرر کا حامی کوئی ناقدین (بتانے والے) کا طرفدار۔ آخر جلسہ تکدر (آپس کے اختلاف) سے ختم ہوگیا۔

اسی کے قریب قریب اور بھی چند واقعات تو خود مجھے پیش آ چکے ہیں کہ جلسوں میں ان مقررین حضرات نے ایسے ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ ان کو حدود میں رکھنا ان کی تاویل کرنا مشکل ہے۔ اسی لئے اکثر جلسوں میں شرکت سے ڈر لگتا ہے۔

متفق علیہ کارِ خیر کی ترجیح

تیسری بات یہ ہے کہ میں جس کام میں لگ رہا ہوں، اس کا سراسر دین اور متفق علیہ کارِ خیر ہونا یقینی ہے۔ خدا کرے کہ یہ[1] ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اور[2] رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَ رُبَّ قَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ کے ذیل میں نہ ہو۔ مجھے اپنی بداعمالیوں سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ[3] کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ تَعَلَّمْتَ لِیُقَالَ اِنَّکَ عَالِمٌ فَقَدْ

---

[1] یہ سورۂ کہف کے اخیر رکوع کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

[2] یہ ایک حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں جن کو روزہ سے بجز بھوکا رہنے کے کوئی نفع نہیں۔ اور بہت سے رات کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں جن کو رات بھر عبادت میں کھڑے رہنے سے جاگنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

[3] یہ بھی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا، ان میں ایک تو شہید ہوگا جس کو بلا کر اللہ کی نعمتیں جو دنیا میں اس پر نازل ہوئی تھیں یاد دلا کر پوچھا جائے گا کہ ہماری ان نعمتوں کے ماحول میں تو نے کیا کارگزاری کی؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ حکم ہوگا کہ یہ ہمارے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا، جان کی بازی لگادی۔ چنانچہ لوگوں نے کہدیا اور جس نیت سے کیا تھا وہ مل گیا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جہنم میں پھینک دیا جائے۔ پھر ایک عالم بلایا جائے گا۔ اس کو بھی اسی طرح اللہ کی نعمتیں جتائی جائیں گی اور سوال ہوگا کہ ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی تھی؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم پڑھا اور پڑھایا، سب آپ کے لئے کیا۔ ارشاد ہوگا، جھوٹ ہے، یہ سب اس لئے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا عالم ہے۔ پس لوگوں نے کہدیا اور مقصود پورا ہوگیا۔ اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر ایک مالدار بلایا جائے گا، جس کو ہر قسم کی دولت اللہ نے دی تھی۔ اس سے بھی اسی طرح سوال ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں نے کوئی خیر کا موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں صدقہ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ یہ سب اس لئے تھا کہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے، سو کہدیا گیا۔ اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

قِبَلْ نہ بن جائے لیکن [1] لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کے بھروسہ پر لگ رہا ہوں۔ مگر کام یقیناً سراسر خیر ہے اور اہل حق میں سے کسی کو بھی اس کے خیر ہونے میں تردد نہیں ہے۔

بندہ حضرت مدنیؒ کی حرص کہاں کر سکتا ہے اور حضرت کا علوّ شان

ایسی صورت میں کسی دوسرے مشغلہ میں لگنا اس کے حرج کا یقینی سبب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آخر حضرت مدنی بھی دونوں کام کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں، بے شک کرتے ہیں مگر مجھے اس میں حضرت مدنی کی حرص کرنا سراسر حماقت ہے۔ بھلا جس شخص کے یہاں سفر حضر برابر ہو، دن رات یکساں ہو۔ نہ اس کو راحت کی ضرورت ہو نہ تکان (تھکاوٹ) پاس پھٹکتا ہو، اس کی کوئی کیا حرص کر سکتا ہے۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ حجاز سے سفر شروع کریں اور کراچی سے اُتر کر سیدھے دو شب و روز ریل میں گزار کر پانچ بجے صبح دیو بند پہنچیں اور چھ بجے بخاری شریف کا سبق پڑھادیں، جیسا کہ اس آخری سفر حج میں پیش آیا ہے۔ وہ مسلسل پندرہ دن تک روزانہ کئی سو میل کا سفر کریں اور کئی کئی تقریریں کردیں، جیسا کہ گزشتہ سال ہوا۔ ابھی دو ایک برس کا قصہ ہے کہ سہارنپور میں سیرت پر ایک ہفتہ وار تقریر کا وعدہ ایک مجلس میں کر گزرے تھے۔ کئی مہینہ تک ہر ہفتہ شب کی گاڑی سے آنا، عشاء کے بعد سے ایک بجے تک تقریر کرنا اور تین بجے بلا کسی کے جگائے اُٹھ کر ریل پر چل دینا اور صبح کو سبق پڑھانا، جس میں مسلسل تین چار گھنٹہ تقریر فرمانا۔ اس کے بالمقابل میری حالت یہ کہ میرا منتہائے سفر اکثر دہلی ہوتا ہے۔ جانے سے ایک دن پہلے سے سہم جاتا ہوں کہ سفر درپیش ہوگیا ہے۔ اور واپسی کے دو تین دن بعد تک سفر کا خمار اور تعب و تکان (پریشانی اور تھکاوٹ) رہتا ہے کہ سبق میں دلجمعی نہیں ہوتی۔ تالیف میں دلبستگی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ حضرت مدنی کی ابتدائی مدرسی مدینہ منورہ میں برسوں ایسی جانفشانی سے گزر چکی ہے کہ بعض زمانوں میں مسلسل

---

[1] یہ قرآن کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جو سورۂ زمر کے چھٹے رکوع کے شروع میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بالیقین حق تعالیٰ شانہ گناہوں کو (توبہ سے اور اپنے فضل سے) بخش دیں گے۔ وہ تو بڑے ہی بخشنے والے اور رحم والے ہیں۔

بارہ تیرہ سبق روزانہ پڑھانا اور شب و روز میں صرف دو تین گھنٹہ سونا، باقی اوقات یا سبق یا اس کا مطالعہ۔ جو شخص ایک عرصہ تک اس طرح استعداد کو پختہ کر چکا ہو، اس کی حرص کرنا اپنی استعداد کا ناقص کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو علوم کا حال تھا، اب سلوک کی سنو۔ سب سے پہلا غوطہ تو بحر عشق و معرفت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے یہاں لگایا اور مدینہ پاک میں مسجد اجابت جیسی بابرکت اور یکسو جگہ میں عرصہ تک ضربیں لگائیں۔ پھر اس کی تکمیل و تخصیص قطب الارشاد حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے یہاں ہوئی اور پھر برسوں حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کے ظلِ عاطفت میں مالٹا کی یکسوئی میں اس رنگ کو پکایا۔ ایسے شخص پر کیا تو اغیار (حالات) کا اثر ہو اور کیا تشتت اس کو مضر ہو اور میری حالت یہ کہ بالکل تنہائی میں بھی یکسوئی نہیں ہوئی ع

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

تو ایسی حالت میں ان کی حرص کر کے میں غریب کہاں رہوں گا۔ مجھے تو گوشۂ یکسوئی میں پڑے رہنے پر بھی تبتل[1] اور دلجمعی نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔[2] وَكَيْفَ يُدْرِكُ الظَّالِعُ شَأْوَ الضَّلِيْعِ۔ یہ میری اپنی حالت ہے۔ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے ہمت وقوت عطا فرمائی اور وہ ذی استعداد مالک الاوقات ہیں، وہ ضرور کریں اور ان کو کرنا چاہئے۔ ایک ناکارہ و نااہل پر اپنے کو قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

طلبہ کے لئے سیاست وغیرہ میں حصہ لینا سم قاتل ہے

دوسرا جز طلبہ کے متعلق ہے۔ میں تو طلبہ کی ہر قسم کی عملی شرکت کو ان کے لئے سم

---

[1] یہ قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ مزمل کے پہلے رکوع میں وارد ہوئی وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلاً (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ) اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

[2] یہ عربی کی ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لنگڑا (بیل) قوی اور طاقتور (گھوڑے) کی رفتار کیسے چل سکتا ہے۔

قاتل (ایسا زہر جس سے موت یقینی ہو) سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے میرے بعض اکابر میرے اس خیال کی زور شور سے تردید فرمائیں، کیونکہ بہرحال وہ میرے بڑے ہیں اور میری رائے ان کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز نہیں۔ مگر میری ناقص سمجھ میں تو اب تک جتنا غور کرتا ہوں، یہی آتا ہے اور بہت سی وجوہ سے میرے خیال کام میں اب تک یہی چیز جمی ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض کی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔

(۱) سَلِ الْمُجَرِّب وَ لاَ تَسْئَلِ الْحَكِيْم[1]۔ میں پوچھتا ہوں ایک گہری نظر عالم (دنیا) پر یا کم از کم ہندوستان پر ڈال کر دیکھو کہ آج جتنے حضرات علمی دنیا کے مالک ہیں، ان کی طالب علمی کا زمانہ کیسا گزرا ہے۔ آج وہ خواہ کسی میدان میں گامزن (مصروف) ہوں لیکن علمی مشغلہ والے بالعموم وہی ملیں گے جو طالب علمی کے زمانہ میں انہماک سے اس میں لگے رہے۔ اور جو حضرات اس زمانہ میں کسی دوسری طرف مشغول رہے ہیں، آج وہ شہرت میں خواہ کتنے ہی ممتاز ہوں اور علماء کی فہرست میں خواہ کتنے ہی اوپر شمار ہوتے ہوں مگر علمی مشغلہ، علمی تدقیق (اہم علمی مسائل)، فقہ، حدیث پر اُن کی نظر بہت ہی پیچھے ملے گی۔ کسی غیر معمولی فقہی مسئلہ کی ضرورت پیش ہو یا کسی علمی تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو ان کا قدم آگے نہیں ملے گا۔ یہ کچھ دلائل کی بات نہیں، ہند کے علماء نظر کے سامنے ہیں۔ ایک نگاہ غور سے ڈالو، پتہ چل جائے گا۔

(ب) ہمارے اکابر اور اکابر کے اکابر، ہمیشہ علم سلوک ان کی جان رہا ہے اور گویا علمی مشغلہ کے ساتھ ان حضرات کے یہاں یہ سلسلہ بھی جُزوِ لاینفک کے قبیل سے رہا اور ہے، مگر خَلْفًا عَنْ سَلَفٍ سب کے سب قَاطِبۃً طلبا کو بیعت سے انکار ہی فرماتے رہے۔ حالانکہ ان حضرات کے یہاں یہ جز کتنا ضروری سمجھا جاتا ہے مگر طالب علم کے اس کو بھی منافی سمجھتے رہے۔

(ج) تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلباء کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو، ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا ذکر تذکرہ، ان پر تبصرہ، ان کا حسن و قبح طلبا کی مجالس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔

---

[1] یہ عرب کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ تجربہ کار سے بات تحقیق کرنی چاہئے۔ بڑے قواعد اور دلائل سے تحقیق نہیں ہوتی۔

(د) پھر ان کی اجتماعی زندگی، ایک دارالطلبہ میں ان کا مجموعی قیام، چوبیس گھنٹہ کا ساتھ اس مناظرانہ گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث، کہاں کا مطالعہ اور کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق۔ یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو انکار کردینے سے زائل (ختم) نہیں ہوسکتے۔

(ہ) پھر ان مناظروں اور اختلاف کا ثمرہ منازعت اور جھگڑوں پر پہنچتا ہے۔ جس خیال کے مجمع کی کثرت ہوتی ہے، وہ اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ اوّل اپنے زور سے، یہ ناکافی ہو تو ناظم و مہتمم مدرسہ کے یہاں جھوٹی سچی شکایات سے اور دوسرا فریق جوابی کوشش میں ان پر جھوٹے افترا اور سچی شکایات کا طومار باندھتا (بند باندھنا یعنی کثرت سے کرنا) ہے۔ پھر عموماً غالب فریق کے گواہ بھی کثرت سے ہوجاتے ہیں اور مغلوب کے لئے سچی گواہی دینے والے بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ ناظمین مدارس عالم الغیب بھی نہیں ہوتے۔ جس کا ثمرہ اکثر یہ بھی ہوجاتا ہے کہ اصل مجرم بری ہوجاتے ہیں، غیر مجرم ماخوذ۔

یہ محض تخیلات نہیں واقعات ہیں جو آئے دن گزرتے ہیں اور ہم لوگ ان کو بھگتتے ہیں۔ اختلافِ رائے عام طبقہ میں بھی ہوتا ہے۔ ان میں اختلافات اور نزاعات بھی ہوتے ہیں۔ مگر وہ اکثر وقتی ہوتے ہیں۔ ان کے اجتماعات عموماً مخصوص وقت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلسہ ختم ہوا، سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ مگر ان لوگوں کا یہی گھر ہے، یہی مجلس خانہ چوبیس گھنٹہ یک جائی قیام (ایک ساتھ رہنا)۔ ایسی صورت میں معمولی سا اختلاف بھی شروع ہوتا ہے تو وہ مہینوں نشوونما (پرورش) پاتا ہے۔ یہ تو طلباء کا اپنا ماحول ہوا، ایک قدم آگے اور بڑھاؤ۔

(ح) کیا مدرسین کسی مدرسہ کے بھی ایک خیال کے ہیں۔ دو چار اِدھر ہیں تو دو چار اُدھر۔ اسباق میں معمولی سی مناسبت سے نہیں بلکہ بلا کسی مناسبت کے یہی بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ان پر تبصرے ہوتے ہیں، رائے زنیاں ہوتی ہیں۔ اپنے ہم خیال لوگوں کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ ان کی تقریروں کی مدح وثنا ہوتی ہے۔ دوسروں پر تنقید ہوتی ہے، تضحیک (تذلیل) ہوتی ہے، ان کی نقلیں اتاری جاتی ہیں۔

(ط) ایک قدم اور آگے چلو۔ جماعت کے سب طلباء مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن کی وہ تعریف کر رہا ہے، وہ اکثر طلباء کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہے اور جن کی مدرس تغلیط (غلط بتارہا) کر رہا ہے، طلباء اکثر نہیں تو معتد بہ اس کے حامی ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہ مدرس ان طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے۔ کج فہم اور متعصب بنتا ہے اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہوں گے تو علمی انتفاع معلوم۔

طالب علم کے لئے انقیاد اور استاذ کا احترام ضروری ہے

یہ طے شدہ اَمر ہے اور عادۃ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا۔ جہاں کہیں ائمہ فن طالب علمی کے اصول لکھتے ہیں، اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو اوجز المسالک[1] کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاد کے ہاتھ میں کلیۃً اپنی باگ (لگام) دے دیں اور بالکل اسی طرح انقیاد (یقین) کرے، جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں، چاہے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنادے۔ علامہ زرنوجی نے تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ میں بہت سے طلبہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ علم کے منافع سے بہرہ یاب نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے شرائط اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتے، اسی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک مستقل فصل اساتذہ کی تعظیم کے ضروری ہونے میں لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ طالب علم علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کہ علم اور علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے۔ جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا ہے، وہ احترام سے کیا ہے اور جو گرا ہے، بے حرمتی سے گرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ سے کافر نہیں ہوتا، دین کے کسی جُو کی بے حرمتی

---

[1] مقدمہ اوجز المسالک شرح مؤطا مالک کی جلد اول میں شامل ہے اور علیحدہ بھی مل جاتا ہے۔

کرنے سے کافر ہوجاتا ہے۔ ولنعم ماقیل ۔

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ جل شانہ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے ۔

ادب تاجیست از فضل الٰہی　　بنہ برسر بروہر جا کہ خواہی

یعنی ادب، فضل خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے۔ اس کو سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ۔ اور یہ مثل تو مشہور ہے ہی، باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

امام سدیدالدین شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے سنا ہے، جوشخص یہ چاہے کہ اس کا لڑکا عالم ہوجائے، اس کو چاہئے کہ علماء کا اعزاز واکرام بہت کرتا رہے اور ان کی خدمت کثرت سے کرے۔ اگر بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور عالم ہوجائے گا۔ امام شمس الائمہ حلوانی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی ضرورت سے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے۔ وہاں جتنے شاگرد تھے وہ استاد کی خبرسن کر زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ مگر قاضی ابوبکر حاضر نہ ہوسکے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو استاد نے دریافت کیا۔ انہوں نے والدہ کی کسی ضروری خدمت بجالانے کا عذر کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ رزق میں وسعت ہوگی مگر علم سے نفع نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ویسے بھی عام طور سے مشہور ہے کہ والدین کی خدمت رزق میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت علم میں ترقی کا۔ الغرض یہ بالکل طے شدہ اَمر ہے۔ لیکن ہمارا جو طرزِ عمل ہے، وہ سب کو معلوم ہے کہ جب شاگردوں اور استاد کا سیاسی خلاف ہوتا ہے تو اس پر فقرہ بازی، تنقیص، عیب جوئی وغیرہ میں ابتلا ہوتا ہے، جو اُن کے لئے حرمان (محرومی) کا سبب بن جاتا ہے۔ میرا تو تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلباء بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں، وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں۔ اُونچے اُونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں۔ جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا، وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اور جو اس زمانہ میں استادوں کے ساتھ نخوت وتکبر سے رہتے ہیں، وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں ہی کراتے پھرتے ہیں۔ کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں۔ بہرحال جو

علم بھی ہو، اس کا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا، جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے، چہ جائیکہ ان سے مخالفت کرے۔ کتاب ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے استاد کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے۔ اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا، نفع کمائے گا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔

حدیث: طلبِ علم میں مومن کی خوشامد کے بیان میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ طلب علم کے سوا کسی چیز میں خوشامد کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں طالب ہونے کے وقت ذلیل بنا تھا، اس لئے مطلوب ہونے کے وقت عزیز بنا۔ بعض حکیموں کا قول نقل کیا ہے کہ جو طلبِ علم کی تھوڑی سی ذلت کو برداشت نہیں کرتا، ہمیشہ جہل کی ذلت میں رہتا ہے۔

ی اس کے بعد کا حشر اور بھی خراب اور تکلیف دہ ہوتا ہے کہ اب مدرس کی ذات بحث مناظرہ بن جاتی ہے۔ موافقین کے نزدیک وہ فرشتہ ہے۔ اس کی ہر غلطی صواب ہے۔ اس کا ہر فعل حجت ہے۔ مخالفین کے نزدیک وہ مدرسہ میں رکھنے کے قابل نہیں۔ وہ پڑھانے کے قابل نہیں۔ نہ اس کی استعداد کام کی ہے نہ اس کی تقریر سمجھ میں آتی ہے۔ اس کی ہر خوبی قابل نفرت ہے۔ اس کا ہر فعل قابل ملامت ہے۔ اس کے مثالب ومعائب (کمیاں اور عیب) تلاش کئے جاتے ہیں اور سچے نہیں ملتے تو جھوٹے افتراء کئے جاتے ہیں۔ ان کا منظم طریقہ سے پروپگنڈہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ واقعات ایسے ہیں جو کسی واقف سے او جھل ہوں یا مدارس سے تعلق رکھنے والے ان سے انکار کردیں۔

ک میں حال ہی کا ایک واقعہ ایک مدرسہ کا لکھتا ہوں کہ ایک حجرہ کے چند طلبہ میں کھانا کھاتے ہوئے یہ بحث چل پڑی کہ اکثریت کا فیصلہ ہر حال میں قابل حجت ہے یا نہیں۔ اوّل گفتگو ہوئی، پھر مناظرہ ہوا، پھر مجادلہ ہوا۔ اسی مجلس میں منتہا یہ ہوا کہ ایک جانب سے لکڑی چلی اور دوسری جانب سے جوتا چلا۔ مدارس میں کون نگران ایسا ہے جو ان کے ساتھ ہمزاد (سایہ) کی طرح ہر وقت ساتھ رہے۔ کون ہر وقت چوبیس ۲۴ گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا رہے کہ ان کی ہر گفتگو کو سنتا رہے اور حدود سے تجاوز نہ کرنے دے۔

ل اسی طرح ابھی چند روز کا ایک مدرسہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں چند طلبہ کی شرکت ہوئی۔ بعد میں جلسہ کی کارگزاری پر رائے زنی ہوئی۔ پھر مباحثہ ہوا۔ دو فریق بن گئے۔ اوّل اوّل دھمکیاں رہیں۔ آخر ایک دن ایک فریق نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو حجرہ میں بند کر کے اس قدر مارا کہ قریب الموت کر دیا۔ یہ آئے دن کے واقعات ہیں، فرضی افسانے (من گھڑت باتیں) اور احتمالاتِ عقلیہ نہیں ہیں۔

م اس کے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ طلباء کو جن اولیاء نے اہلِ مدارس کے سپرد کیا ہے، اُن کی غرض تعلیم ہے اور صرف تعلیم۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہیں جو باوجودیکہ خود تحریکاتِ حاضرہ کے حامی اور ساعی ہیں، لیکن اُن سے اگر کہا جائے کہ صاحبزادہ آج اس میں مشغول ہیں تو وہ اس کی شکایت کرتے ہیں اور اس قسم کے خطوط کثرت سے منتظمین کے پاس موصول ہوتے رہتے ہیں۔ اور زبانی بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ سیاست ہمارے گھر کی چیز ہے۔ چند روز ہمارے ساتھ رہ کر اس سے کافی مناسبت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس وقت ہم صرف استعدادِ (صلاحیت) علوم چاہتے ہیں۔

ن اس کے بعد اس روپیہ کے مصرف کا سوال ہے جو علم کے نام سے لیا جاتا ہے اور دینے والے صرف علم کے مشغلہ کی وجہ سے دیتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو سیاسی مشاغل میں صرف کرنے کے خلاف نہیں، لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ روپیہ فلاں کام میں خرچ ہوگا اور اس وظیفہ کے پانے والے طلبہ کا یہ مشغلہ ہوگا تو ایسی صورت میں وہ ہرگز گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض حضرات تو یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ ایسے طلبہ کو اس میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ تو کیا پھر ایسی صورت میں یہ احتیاط کا مقتضے نہیں ہے کہ روپے کو اس کے مصرف میں نہایت حزم و احتیاط سے خرچ کیا جائے۔ مدرسین اس میں احتیاط کرسکتے ہیں کہ وہ اگر اپنا وقت ایسے کاموں میں خرچ کریں تو شرعی قواعد کے ماتحت دوسرے وقت سے اس کی تلافی کردیں۔ لیکن کیا طلبہ بھی اس میں احتیاط کرسکتے ہیں؟ یا اگر کرسکتے ہیں تو کرتے بھی ہیں؟

یہ چند امور میں نے مثال کے طور پر لکھے ہیں، غور کرو گے تو اور زیادہ کلام کی گنجائش پاؤ گے۔

طلبِ علم کے لئے دس اُمور بہت اہم ہیں

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ طلبِ علم کے لئے بہت سے آداب اور شرائط ہیں، ان میں سے اہم اور اصل اصول دس۱۰ ہیں۔ ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول نہ کرے۔ اہل وعیال اور وطن سے دور جا کر علم حاصل کرے تاکہ خانگی ضروریات مشغول نہ بنائیں کہ تعلقات ہمیشہ علم سے پھیرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ. ''حق تعالیٰ شانہ نے کسی آدمی کے دو دل نہیں پیدا فرمائے ہیں۔'' اسی وجہ سے مشہور ہے کہ علم اس وقت تک تجھ کو اپنا تھوڑا سا حصہ بھی نہ دے گا، جب تک کہ تُو اپنے آپ کو ہمہ تن (مکمل طور پر) اس کے حوالہ نہ کر دے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو دل مختلف چیزوں میں مشغول رہے، وہ کھیت کی اس نالی کی طرح ہے، جس کی ڈول بنی ہوئی نہ ہو کہ کچھ حصہ اس میں سے اِدھر اُدھر چلا جائے گا اور کچھ حصہ پانی کا ہوا بن کر اُڑ جائے گا۔ صرف تھوڑا سا پانی رہے گا جو کھیت کے لئے کارآمد ہو سکے گا۔

اس سب کے بعد مجھے اس چیز کے اعتراف سے بھی انکار نہیں ہے کہ طلباء کی بے فکر جماعت مقاصد کی کامیابی کے لئے بہترین جماعت ہے، لیکن موجودہ ماحول میں مضار (تکالیف) غالب ہیں اور جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے ماحول کی تبدیلی تک یہ چیز میرے نزدیک خطرناک ہے۔ البتہ اگر ان کے حدود میں رہنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکے تو امر آخر ہے۔

تیسرا جزو غیر طلبہ کے متعلق ہے۔ جو لوگ دین کے کسی خاص کام میں منہمک نہیں ہیں، ان کو یقیناً انہاک کے ساتھ شریک ہونا چاہئے۔ لیکن دیانت کے ساتھ اور اس دیانت کے ساتھ جس کو وہ کل اللہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ وہ ان کے اعمال نامے میں جلی قلم سے لکھی جا سکے۔ جہاد دین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کی معین و مددگار ہو، یقیناً مفید اور ضروری ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دن کسی اسلامی سرحد کی حفاظت میں لگے رہنا ساری دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے، سب سے افضل ہے۔ اور اللہ کے راستے میں صبح کو چلنا یا شام کو چلنا دنیا اور دنیا کی

تمام چیزوں سے افضل ہے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایک دن رات کا رباط (یعنی اسلامی سرحد کی حفاظت میں مشغولی) ایک ماہ کے (نفلی) روزوں سے افضل ہے اور تمام مہینہ کی شب بیداری سے افضل ہے۔ اور اس حالت میں کسی کی موت آ جائے تو صدقہ جاریہ کے طور پر ہمیشہ کے لئے اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اسی حالت میں مرجائے، قیامت تک اس کے نیک عمل کا ثواب ملتا رہے گا اور اس کو رزق عطا ہوتا رہے گا اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن (جو نہایت ہی گھبراہٹ کا دن ہوگا) یہ شخص نہایت مطمئن ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی ایسی ہی جگہ کھڑے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں تھوڑی دیر کھڑے رہنا حجر اسود کے پاس شب قدر میں جاگتے رہنے (اور عبادت کرنے) سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی ایک نماز دوسروں کی پانچ سو نمازوں سے افضل ہے اور اس شخص کا ایک روپیہ دوسروں کے سات سو روپیہ سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہترین شخص دو۲ آدمی ہیں۔ ایک وہ جس کے پاس کچھ جانور ہوں (کہ وہ ذریعہ معاش ہوں) ان کا حق ادا کرتا ہو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو۔ دوسرا وہ شخص جو گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے دشمنوں کو ڈراتا ہو اور وہ اس کو ڈراتے رہتے ہوں۔ (ف) پہلے شخص کے بارے میں جانوروں کا ہونا قید نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ معمولی گزراوقات کا کچھ سبب ہو اور عبادت میں ہر وقت مشغول رہے۔ اسی طرح دوسری جانب گھوڑا قید نہیں ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں جہاد گھوڑے ہی پر عموماً ہوتا تھا، اس لئے اس کو ارشاد فرمایا۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرتا ہو، خواہ کسی طریقہ سے ہو۔ بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ دو۲ آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے کسی وقت روئی ہو۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ لیلۃ القدر سے افضل کون سی رات ہے۔ وہ رات ہے جس میں (دین کی حفاظت کے لئے) کسی خطرہ کی جگہ کوئی شخص جاگے۔ اس کو یہ بھی امید نہ ہو کہ اپنے اہل وعیال کی طرف صحیح سالم

لوٹ سکتا ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رونے والی ہوگی، مگر وہ آنکھ جو ناجائز چیز (مثلاً نامحرم عورتوں وغیرہ) سے بند رہی ہو اور وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو اور وہ آنکھ جس سے ایک مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو کا قطرہ اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے، وہ سات سو درجہ ثواب پاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، جو شخص کسی مجاہد کی اعانت کرے، وہ بھی مجاہد ہے اور جو اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرے، وہ بھی مجاہد ہے۔ ایک حدیث میں ہے، جو کسی مجاہد کی اعانت کرے یا کسی قرضدار کی مدد کرے، اللہ جل شانہ اس کو ایسے دن اپنی رحمت کے سایہ میں رکھیں گے، جس دن اُن کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے، کیا ہی مبارک ہے وہ شخص جو جہاد میں بھی اللہ کے ذکر کی کثرت رکھے کہ اس کو ہر کلمہ پر ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ہر نیکی دس گنا ثواب رکھتی ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے یہاں جو خاص انعام ہوگا وہ مزید براہ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہو وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا، جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ ہو (مراد یہ ہے کہ اس کا جہنم میں جانا محال (ناممکن) ہے) اور جس ناک کے سوراخ میں اللہ کے راستے کا غبار گیا ہو، اس میں جہنم کی آگ کا دھواں کبھی نہیں جاسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جن قدموں پر اللہ کے راستے کا غبار پڑا ہے، ان کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس چہرہ پر اللہ کے راستہ کا غبار پڑا ہے، اس تک جہنم کی آگ کا دھواں نہیں پہنچ سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے کوئی زخم اللہ کے راستہ میں آیا ہے، اس پر قیامت کے دن شہیدوں کی مہر لگی ہوئی ہوگی اور وہ زخم زعفران کے رنگ کی طرح چمکتا ہوا ہوگا اور اس میں سے خوشبو اور مہک مشک کی سی آئے گی، جس سے ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ زخم اللہ کے راستے میں لگا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قافلہ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے۔ اس قافلہ میں ایک نوجوان تھا جو راستہ سے بچ کر علیحدہ چل رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تم علیحدہ کیوں جارہے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ غبار کی وجہ سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس غبار سے بچنے کی ضرورت نہیں۔ یہ قیامت کے دن

مشک کے ریزے (ٹکڑے) بنے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں ایک تیر چلائے، خواہ وہ نشانہ پر لگے یا نہ لگے، اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں احادیث اس کے ثواب و ترغیب اور چھوڑ دینے کی وعید میں وارد ہوئی ہیں۔

جہاد کی تعریف اور اس کے فضائل

اور جہاد ہر وہ کوشش ہے جو اسلام کے غلبہ اور کفار کی مدافعت کے لئے کی جائے۔ اس لئے جو بھی کوشش اس نیت اور ارادے سے ہوگی وہ اس میں داخل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔ حالانکہ ظالم بادشاہ کے لئے کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ بڑی شرط یہی ہے کہ ساری جدوجہد کا مقصد اسلام کی قوت، اس کی رفعت، اس کی بلندی ہو۔

ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص غنیمت (یعنی دنیوی منفعت) کے ارادے سے جہاد کرتا ہے، ایک اس نیت سے کہ اس کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو، ایک اس نیت سے کرتا ہے کہ اس کی شہرت اور چرچا ہو، ان میں سے کون سا جہاد معتبر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاد وہی ہے جو صرف اس لئے کیا جائے کہ اللہ کا بول بالا ہو (یعنی دین کی ترقی کا ذریعہ ہو) ایک حدیث میں آیا ہے کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ایک شخص جہاد کرتا ہے اور وہ دنیا کے کسی نفع کے ارادہ سے کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا کوئی اجر نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا۔ ان پوچھنے والے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ شاید اچھی طرح واضح نہیں ہوسکا۔ اس لئے دوبارہ دریافت کرو۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ بھی یہی ارشاد فرمایا۔ پھر تیسری دفعہ دریافت کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دفعہ بھی یہی جواب دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے جہاد کی حقیقت سمجھا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اللہ کے واسطے ثواب کی نیت سے جہاد کرتا ہے تو قیامت میں اسی طرح اٹھایا جائے گا۔ اگر ریاکاری (یعنی لوگوں کو قوت و طاقت کے دکھانے کی نیت

سے) یا کچھ مال و دولت کمانے کی غرض سے جہاد کرتا ہے تو اسی حالت پر اٹھایا جائے گا۔ بات یہ ہے کہ جس نیت سے تیرا فعل ہوگا، اسی حالت پر تیرا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جہاد کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شخص ہے جو صرف اللہ کی رضا کا طالب ہے۔ امام کی اطاعت کرے۔ اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کردے۔ ساتھی سے نرمی کا برتاؤ کرے اور فساد سے دُور رہے۔ اس شخص کا سونا جاگنا سب کچھ ثواب اور اجر کا باعث ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو تفاخر اور ریاکاری اور شہرت کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ امام کی نافرمانی کرتا ہے۔ فساد میں شرکت کرتا ہے۔ وہ شخص برابر سرابر بھی نہیں لوٹتا۔ یعنی جتنا ثواب ہوتا، اس سے زیادہ گناہ کمالیا۔ اس بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ تو اولین شرط ہے کہ جو کچھ کیا جائے وہ خالص اللہ کی رضا، اس کے دین کی حمایت اور حق کا بول بالا ہونے کی غرض سے کیا جائے۔ اس کے بعد اہل الرائے اور تجربہ کار دین دار لوگوں کی رائے سے جو سعی بھی اس ارادہ سے ہوگی، وہ اجر سے انشاء اللہ خالی نہ ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ اخلاص اور اللہ کے لئے ہونے کی ہر کام میں ضرورت ہے۔ چنانچہ پہلے یہ حدیث شریف گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ بلائے جائیں گے، ان میں ایک شہید ہوگا۔ اس کو بلا کر اللہ جل جلالہ کی جو نعمتیں دنیا میں اس پر کی گئی تھیں، یاد دلائی جائیں گی۔ اور جب وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا اور یاد کرے گا کہ واقعی کس قدر انعامات اللہ جل جلالہ کے دنیا میں مجھ پر ہوئے تھے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگزاری کی۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان دے دی کہ (یہی سب سے زیادہ محبوب چیز تھی) حکم ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا بہادر تھا۔ چنانچہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا۔ اور لوگوں نے کہہ لیا کہ بڑا جری (طاقتور) ہے، بڑا بہادر ہے۔ اس کے بعد اس کو حکم کیا جائے گا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ پھر ایک عالم بلایا جائے گا۔ اس کو بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کے انعامات احسانات یاد دلائے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا۔ وہ کہے گا: تیرا علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ تیرے پاک کلام کو پڑھا (اور پڑھایا)۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا جیّد

عالم ہے۔ بڑا قاری ہے۔ چنانچہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا اور لوگوں نے کہہ لیا۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم ہوگا کہ جہنم میں لے جاؤ۔ اس کے بعد ایک مالدار بلایا جائے گا۔ اس سے اسی طرح اللہ کی نعمتوں کو یاد دلا کر پوچھا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں نے کوئی بھی خیر کی جگہ ایسی نہیں چھوڑی، جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو اور میں نے آپ کے لئے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ لوگ کہیں بڑا سخی ہے، بڑا کریم ہے۔ چنانچہ کہا جا چکا اور مقصود حاصل ہو گیا۔ پھر اس کو بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

اس قسم کے مضامین احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ اس لئے اللہ کے واسطے اور خالص اللہ کے واسطے ہونے کی تو ہر ہی کام میں ضرورت ہے، مگر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں شہرت اور فخر و نمود کے اسباب زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے دنیوی اغراض کے حصول کا داعیہ قوی ہو جاتا ہے اور جس چیز میں جتنی شہرت کے اسباب قوی ہوتے ہیں، اتنے ہی اہتمام سے اس میں احتیاط کی ضرورت درپیش ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں ہر ہر قدم پر تفاخر و پروانۂ تحسین (جو خوبصورت معلوم ہو) و زندہ باد ایسی چیزیں ہیں، جو قلوب کو ادھر کھینچنے والی ہیں۔ اس لئے اہم اور سب سے اہم چیز یہی ہے کہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص بھی اس میں شرکت کر سکے، حصہ لے سکے، دین کے فروغ کا سبب بن سکے، اسلام کی حفاظت کا ذریعہ بن سکے، اسلام کو خطرہ سے بچا سکے، کفار کے نقصان سے اسلام اور مسلمانوں کو بچا سکے، کفار کے غلبہ کو روک سکے، اس کے سراسر خیر ہونے میں کسے انکار ہو سکتا ہے۔ کون ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو پسند نہ کرتا ہو یا اس کے دل میں اس کا ولولہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور جو لوگ کسی معذوری سے خود شریک نہیں ہو سکتے، وہ اخلاص سے کام کرنے والوں کی اعانت سے تو کم از کم دریغ نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھیجے اور خود اپنے گھر رہے، اس کو ایک درہم (روپیہ) کے بدلہ میں سات سو روپیہ کا اجر ہوگا اور جو خود بھی شریک ہو، اس کو فی روپیہ سات ہزار کا اجر ملے گا۔ (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ کسی دنیوی مجبوری یا شرعی عذر سے خود شرکت نہ کر سکیں، وہ اپنی وسعت کے موافق کام کرنے والوں کی اعانت مالی، بدنی، قلمی سے دریغ نہ کریں۔ کس قدر اللہ جل

شانہ کا لطف و انعام ہے کہ اس نے معذورین، سست، کمزور اور ناز پروردہ (نعمتوں میں پرورش پانے والے) لوگوں کے لئے بھی خیر کے دروازے بند نہیں کئے ہیں بلکہ ہر عبادت میں شرکت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ہم لوگ حیلے بہانے کریں اور ہر جا و بے جا بات کو آڑ بنائیں، اس کا تو ذکر ہی نہیں وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يَرْضىٰ. اس سلسلہ میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جہاد صرف قتل وقتال ہی کا نام نہیں ہے۔ گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، بلکہ ہر وہ سعی جو اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوت و غلبہ کے لئے ہو، وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا جو سعی بھی اس سلسلہ میں ہوگی، وہ سب ہی جہاد کے تحت میں داخل ہے۔ مگر یہاں ایک چیز پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ کے اندر منسلک ہیں، وہ یقیناً ایک اہم دینی امر میں منہمک (لگے ہوئے) ہیں۔ مگر بعض حضرات اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کو جو کسی شرعی وجہ سے یا ذاتی عذر سے شریک نہیں ہوتا، ایسا سب وشتم کرتے ہیں کہ پھر نہ اس کی کوئی عبادت قابل التفات رہتی ہے نہ کوئی خوبی قابل اعتنا (قابل عزت)۔ فاسق و فاجر تو معمولی لفظ ہے، اس کو جہنمی اور کافر تک کہنے سے باک نہیں کرتے، حالانکہ اگر یہ فرضِ عین ہو تب بھی اس کا بلا عذر چھوڑنے والا ایک کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا، کافر اس وقت بھی نہیں ہوسکتا اور بلا کسی شرعی حجت کے ایک مسلمان کو کافر کہنا جتنا سخت ترین جرم ہے، وہ ظاہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کی جڑ تین چیزیں ہیں، جن میں سے ایک یہ کہ کسی کلمہ گو کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو فاسق یا کافر کہے اور وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ کلمہ کہنے والے ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ (مشکوٰۃ) یعنی اس کا وبال اس پر پڑتا ہے۔ بعض لوگ ایسا ظلم کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں کہہ جاتے ہیں کہ فلاں شخص کی کبھی معافی نہیں ہوسکتی۔ اس کی کبھی بخشش نہیں ہوسکتی۔ مجھے بے حد رنج ہے کہ یہ کلمہ میں نے بعض اہل علم کی زبان سے بھی سنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ واللہ خدائے تعالیٰ فلاں شخص کی ہرگز مغفرت

نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: یہ کون شخص ہے جو میرے متعلق قسم کھاتا ہے کہ فلاں کی مغفرت نہ کروں گا۔ میں نے اس کی مغفرت کردی اور (اس قسم کھانے والے کو ارشاد فرمایا کہ) تیرے عمل کو باطل کردیا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے۔ ایک بڑا عابد دوسرا گناہگار۔ وہ عابد اس گناہگار کو ہمیشہ تنبیہ کرتا رہتا۔ ایک دن اس کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھا تو قسم کھالی کہ واللہ تیری خدا کے یہاں بالکل مغفرت نہ ہوگی۔ دونوں کو موت آئی اور اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضری ہوئی۔ عابد کو ارشاد باری ہوا: کیا تو میری عطا کے روکنے پر قادر تھا کہ قسم کھالی۔ اس کے بعد گناہگار کو ارشاد ہوا کہ تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہوجا۔ اور اس عابد کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو جہنم میں داخل کردیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے ایک کلمہ کی بدولت دین و دنیا دونوں ہی کو ضائع کردیا۔ (جمع الفوائد)

غرض غصہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کرجانا بڑی جرأت ہے اور اس سے زیادہ سخت یہ ہے کہ دینیات اور اسلامیات پر بھی اہانت کے الفاظ استعمال کردیئے جاتے ہیں کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ مولویوں نے جنت کو آسان کردیا۔ جنت کا راستہ سہل کردیا۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو اور جنت میں چلے جاؤ۔ یہ فقرے اور اس قسم کے طنزیہ فقرے تقریروں میں جوش وخروش سے بیان کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے کس کو انکار ہے کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں۔ آٹھ دروازے ہونا تو بہت سی روایات میں مشہور ہے ہی۔ بعض احادیث سے اس سے زیادہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔ چنانچہ نماز کا مستقل دروازہ ہے۔ روزہ کے ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ اسی طرح صدقہ کا، جہاد کا، غصہ کو پینے والوں اور لوگوں کے لئے معافی دینے والوں کے لئے علیحدہ دروازہ ہے۔ متوکل لوگوں کے لئے مستقل دروازہ ہے۔ چاشت کی نماز کا اہتمام رکھنے والوں کا خصوصی دروازہ علیحدہ ہے۔ توبہ کا دروازہ علیحدہ ہے اور اللہ کی مرضی پر رہنے والوں کا دروازہ مستقل ہے۔ حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر عمل کے ساتھ خصوصیت رکھنے والوں کے لئے مستقل دروازہ ہے۔ (فتح) اس لئے اس پر کیا طعن ہے اور یہ کیا طنز کی بات ہے۔ جیسے اور دینی احکام ہیں ایسے ہی جہاد

ہے بلکہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے کہ فرائض نماز کا اپنے اوقات پر اہتمام کرنا بلا تردد (بغیر شک کے) جہاد سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جہاد کی فضیلت ایمان اور نماز ہی کے قائم کرنے کے واسطے ہے اور نماز خود مقصود ہے۔ (شامی) اس لئے اس میں کوتاہی کرنے والوں کا نماز روزہ وغیرہ کو بے کار کہہ دینا یا اس پر طعن کرنا حدود سے تجاوز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب جہاد میں شرکت کی نیت سے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ اور انہی کی اچھی طرح خدمت کرو (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جارہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ۔ (مشکوٰۃ براویۃ الشیخین)

ایک حدیث میں آیا ہے ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں مشورہ لیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ رہو۔ ان کے قدموں میں جنت ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک بدوی حاضر خدمت ہوئے اور ہجرت کے بارہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار (مسئلہ معلوم) کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت کا معاملہ سخت ہے۔ تمہارے پاس کچھ اُونٹ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس تو کہیں سمندر پار اپنے دینی اعمال میں مشغول رہو۔ اللہ جل شانہ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہ فرمائیں گے۔ (ابوداؤد)

غرض سینکڑوں واقعات اور احادیث ایسی ہیں کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی جہاد کے مقابلہ میں دوسرے نیک اعمال کو ترجیح دی ہے۔ پھر حکمی جہاد کا تو کیا ذکر۔ اگرچہ بعض وقتی ضرورتوں اور خاص خاص مصلحتوں کی وجہ سے ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاد کی اہمیت سب سے بڑھ گئی ہے۔ حتیٰ کہ غزوہ خندق میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یا ایک

سے زیادہ نمازیں قضا ہوئی ہیں۔ مگر یہ کلیہ نہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں کوئی نیک عمل معتبر ہی نہیں، بالخصوص جب کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ ایسے چھوڑے ہیں کہ تم جتنا راستہ بھی چلے ہو اور جو کچھ خرچ کیا ہے اور جتنا سفر طے کیا ہے، اس سب کے ثواب میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا: وہ کیسے شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں میں موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ وہ عذر اور مجبوری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ (ابو داؤد)

اس مضمون کے نظائر بھی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے (اور اس وجہ سے اپنا معمول پورا نہ کر سکے) تو اس کو اتنا ہی ثواب اور اجر ملے گا، جتنا کہ وہ صحت کی حالت اور مقیم ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ البخاری)

ایک حدیث میں ہے جب آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور وہ پہلے سے کسی نیک کام میں مشغول رہتا تھا تو اس فرشتہ کو جو اس کے نیک اعمال لکھنے پر متعین تھا، یہ حکم ہوتا ہے کہ جو عمل یہ کیا کرتا تھا، اس کا ثواب اس کو ملتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے جب کوئی ناجائز کام کیا جاتا ہے تو جو شخص کسی مجبوری سے اس میں شریک ہے اور وہ اس کو پسند نہیں کرتا، لیکن مجبوراً وہاں موجود ہے، وہ حکم کے اعتبار سے ایسا ہے گویا شریک ہی نہیں اور جو شخص اس میں موجود نہیں ہے لیکن اس کو پسند کرتا ہے، وہ ایسا ہے گویا اس میں شریک ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث قریب ہی آ رہی ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اپنے چھوٹے بچوں کی اعانت کے سلسلہ میں نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ وہ چپ چاپ پڑے ہیں۔ آواز دی، وہ اس پر بھی نہ بولے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ہم

تمہارے بارے میں مغلوب ہوگئے۔ (یعنی تمہاری موت جو تقدیری امر تھا، غالب آ گئی) عورتیں یہ کلام سن کر یہ سمجھ گئیں کہ وفات ہو چکی ہے، اس لئے رونے لگیں۔ اُن کی صاحبزادی نے افسوس کے لہجہ میں کہا: میں تو یہ امید کر رہی تھی کہ تم شہید ہو کر جاؤ گے، اس لئے کہ جہاد میں جانے کا سامان تیار رکھا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو ان کی نیت کا اجر و ثواب ہو گیا۔ اور تم شہادت کس چیز کو سمجھتی ہو؟

انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے راستہ میں قتل ہو جانے کو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل کے علاوہ سات قسمیں شہادت کی اور بھی ہیں۔ جو طاعون میں مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو پانی میں غرق ہو کر مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو ذات الجنب (نمونیہ) میں مرے وہ بھی شہید ہے۔ جو مبطون ہو (اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کی استسقاء سے کی ہے، بعض نے اسہال سے، بعض نے قولنج کہا ہے اور بعض نے پیٹ کی ہر بیماری) وہ بھی شہید ہے۔ جو آگ میں جل کر مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو (چھت یا دیوار وغیرہ کے نیچے) دب کر مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ عورت اگر بچہ پیدا ہونے میں مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ (مؤطا امام مالک)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب ان کی بیٹی نے عرض کیا کہ شہید ہونا اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کو سمجھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح تو میری امت کے شہید بہت کم رہ جائیں گے۔ اس کے بعد ان انواع کو ذکر فرمایا۔ ان کے علاوہ ساٹھ کے قریب اقسام موت کی ایسی ہیں جن میں شہادت کا درجہ نصیب ہونے کی بشارت احادیث میں آئی ہے اور ان کو اوجز المسالک کی دوسری جلد میں اس ناکارہ نے جمع کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا سچا رسول تو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور ان کی خوبیوں میں ترقیات کے اسباب بہم پہنچائیں اور امت اس رحمت کو تنگ کرے۔ ہر شخص جو کسی دینی مشغلہ میں لگا ہوا ہے، تعلیم ہو، تبلیغ ہو، جہاد ہو، سلوک ہو، وہ اپنے سلسلہ کے علاوہ باقی سب کو لغو، بے کار، وقت کی اضاعت، حتیٰ کہ گمراہی کہنے سے بھی نہ جھجکے۔ دینِ اسلام جو ہر نوع سے نہایت سہل تھا، اس کو مشکل بنایا جاتا ہے اور دینی ترقی کے کھلا تعداد ابواب کو اسی ایک باب میں منحصر کیا جاتا ہے جس پر وہ خود چل رہے ہیں اور اس کے علاوہ بقیہ سب ابواب کو گویا دین سے خارج کیا جاتا ہے۔

دین کو آسان بنانے کی ترغیب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین (نہایت) سہل ہے اور جو اس میں تشدّد کرتا ہے، مغلوب ہوتا ہے۔ پس سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو اور لوگوں کو (نیک اعمال پر) بشارتیں دو۔ (بخاری شریف)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سہولت پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو تسکین (خوشخبری) دو، نفرت نہ دلاؤ۔ (درّ منثور)

صاحب **بھجۃ النفوس** لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقل کے ساتھ یعنی احکامِ شرعیہ پر عقل کے ساتھ عمل کیا جائے۔ اسی لئے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں عقل کے موافق بدلہ دیا جائے گا۔ (مجمع) آپ نے عرض کیا کہ عقل کی ذمہ داری کون کرسکتا ہے۔ (کہ ہر شخص عقل اور سمجھ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم وبیش ہوتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقل کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانے وہ عاقل ہے۔ اگر اس کے بعد (دین میں) اور کوشش کرے تو وہ عابد ہے اور اگر اور زیادہ کوشش کرے تو وہ جواد (جوانمرد) ہے۔ پس اگر کوئی شخص عبادت میں کوشش کرنے والا ہو اور نیک کاموں میں جوانمردی کرنے والا ہو لیکن ایسی عقل اس کو نہ ہو جو اللہ کی حلال فرمائی ہوئی چیزوں کے اتباع پر اور حرام کی ہوئی چیزوں سے رُکنے پر پہنچادے تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں ضائع ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جس چیز کو شریعت نے حلال کررکھا ہے، اس کو حرام سمجھنا دینی بے عقلی ہے۔ اسی طرح دین کے ابواب میں تنگی کرنا یا ان میں اپنی طرف سے اصلاح کرنا عقل کی بات نہیں ہے۔ صاحب بہجہ کہتے ہیں: اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے نفس سے اس کا مطالبہ کرے کہ وہ تمام عبادتوں کو ہر طریقہ سے کمال پر پہنچائے، وہ دو طرح سے مغلوب ہوگا۔ ایک اس وجہ سے کہ وہ کمال تک پہنچنے سے عاجز ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُنْبَتَّ لاَ اَرْضًا قَطَعَ وَ لاَ ظَهْرًا اَبْقىٰ. (یعنی سواری کو دھکانے والا، ایسا کہ نہ راستہ طے کیا اور نہ سواری کو بچا کر رکھا)

دوسرے اس وجہ سے کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات مختلف انواع عبادات کا بیک وقت اجتماع ہوگا اور اس صورت میں آدمی ایک ہی کو ادا کرسکتا ہے۔ صاحب بهجه نے جس حدیث کے ٹکڑے کو ذکر کیا ہے یہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے۔ علامہ سخاوی نے احادیث مشہورہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن محدثین نے اس میں کلام بھی کیا ہے۔

فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لاَ اَرْضًا قَطَعَ (الحدیث)

پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ مَتِيْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِيْهِ بِالرِّفْقِ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لاَ اَرْضًا قَطَعَ وَ لاَ ظَهْرًا اَبْقىٰ. ''یہ دین ایک مضبوط چیز ہے اس میں نرمی کے ساتھ تیز چلو۔ اس لئے کہ جس شخص نے سواری کو تھکا ڈالا اس نے نہ تو راستہ ہی قطع کیا نہ سواری ہی کو باقی رکھا کہ دوسرے وقت قطع مسافت کرسکتا۔'' اسی لئے حدیث بالا میں ارشاد فرمایا گیا کہ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا سیدھے سیدھے اور قریب قریب چلے چلو یعنی توسط کی رفتار رکھو۔ مندوبات میں اتنا توغل نہ کرو کہ فرائض میں کوتاہی ہونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ دیکھا۔ نماز کے بعد بازار تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کا مکان آ گیا۔ وہاں تشریف لے گئے اور ان کی والدہ سے دریافت فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام رات عبادت میں گزاروں۔

تمام رات کی عبادت کتنی اہم چیز ہے۔ لیکن چونکہ جماعت کی نماز اس سے زیادہ مؤکد ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ترجیح دی۔ اور بھی بہت سی روایات اس مضمون کی موید (تائید کرتی) ہیں کہ احکامِ شرعیہ میں بھی ہر چیز کا ایک درجہ ہے کہ اس سے نہ گھٹانا چاہئے نہ بڑھانا۔

صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا غلطی ہے

محض اس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یا ہمارے نزدیک ایک کام اہم ہے باقی ساری عبادات پر، دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت ناانصافی ہے۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے یا دوسروں کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے کہ نہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ واجب، نہ عذر رہے نہ معذرت۔ جو لوگ اس کے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں وہ جہنمی بنا دیئے جائیں، وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دیئے جائیں، جیسے کہ بہت سی تقریروں اور تحریروں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اونچے درجے کے اکابر اور ذمہ دار حضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کے بارے میں ایسی بات کو شائع کرے، جس سے وہ بری ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو قیامت کے دن جہنم میں پگھلائیں گے، یہاں تک کہ اپنی بات کو سچا ثابت کرے۔ (درمنثور) پگھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے کہ اس کا بدن لہو پیپ بن کر پگھلتا رہے گا اور جب تک اپنی بات کو سچا ثابت نہ کرے گا اس وقت تک نکلنے کا حق نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایسی بات کہی ہے جو دوسرے میں موجود ہی نہیں ہے تو اس کو سچا کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں پھر اسی کی مہربانی کی طرف توجہ کرنا پڑے گی جس پر جھوٹا الزام لگایا تھا کہ یا وہ معاف کر دے یا اللہ جل جلالہ اپنے لطف سے اس کو معاوضہ دے کر راضی فرمائیں۔ ورنہ اپنی نیکیاں ان کے حوالہ کریں اور نیکیاں اپنے پاس نہ ہوں تو ان کی برائیاں اپنے سر رکھیں۔ جو صورت بھی ہو بہرحال ندامت (شرمندگی) کتنی سخت ہوگی کہ آج جن کو سب و شتم کیا جا رہا ہے کل ان کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا۔

سوال نمبر۴: مسلمان تباہ ہوتے جا رہے ہیں، آخر ان کو کیا کرنا چاہیے؟

یہ صحیح ہے کہ مسلمان ہر نوع سے پریشان ہیں۔ انفرادی مشکلات مستقل گھیرے

ہوئے ہیں اور اجتماعی تفکرات علیحدہ دامن گیر ہیں۔ لیکن یہ سوال کہ ان کو کیا کرنا چاہئے، ایک عامی سمجھدار مسلمان کے قلم سے بھی موجب تعجب ہے، چہ جائیکہ کسی ذی علم کے قلم سے۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے متعلق اللہ جل جلالہ نے اپنے پاک کلام میں تکمیل کا اعلان فرمایا ہے اور اس احسان اور نعمت کے پورا کردینے کا تمغہ عطا فرمایا ہے اور ان پیارے الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۂ مائدہ ع ۱) ''آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کردیا اور (اس تکمیل سے) تم پر اپنا انعام پورا کردیا۔ اور میں اس بات سے خوش ہوں (اور اس کو پسند کرتا ہوں) کہ تمہارا دین (اور مذہب) اسلام ہو (یعنی مذہب اسلام تمہارے لئے مجھے پسندیدہ ہے اور یہی تمہارا مذہب ہے)''

کیا ہی مبارک تمغہ ہے کتنا مسرور (خوش وخرم) بنادینے والا امتیاز ہے۔ ایسے مکمل دین کے دعویدار، ایسے کامل مذہب کے پیرو اس میں پریشان ہوں کہ مسلمان کیا کریں۔ اللہ پاک نے اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرمادیئے ہوں۔ ان کے منافع اور نقصانات نہ بتا دیئے ہوں۔ اور پھر سب کچھ صرف زبانی تلقین اور کتابی تعلیم نہیں ہے بلکہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول کی فریفتہ جماعت نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کر، ان پر عمل کرکے اس کا تجربہ بھی کرادیا ہے۔ الغرض دین و دنیا کی بہبود بھی رسول کے اتباع ہی میں مضمر و منحصر ہے۔ مگر جب ہم لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو دقیانوسیت (بے وقوفی) اور اس کی سنتوں پر مر مٹنے کو تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہے اور دنیا کا جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک حرکت وسکون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے۔ ایک طرف اس کو سامنے رکھو، دوسری طرف امت کے حالات کو سامنے رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) دلیری اور جرأت سے چھوڑی جارہی ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کیا جارہا ہے۔ اس کی طرف

متوجہ کرنے والوں کو احمق اور دین کا ناسمجھ بتایا جا رہا ہے۔ کیا اس ظلمِ عظیم کی کوئی حد ہے اور ایسی صورت میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا منہ ہے اور تقریروں تحریروں میں اس شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے۔

آنچہ برما است از ما است　　　　خود کردہ را علاجے نیست

مصائب و بلایا کے باطنی اسباب

اللہ جل جلالہ نے صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں ارشاد فرما دیا: وَ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ وَ مَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ. (سورۂ شوریٰ ع۴)
اور جو کچھ مصیبت تم کو حقیقتاً پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے (اور ہر گناہ پر نہیں پہنچتی بلکہ) بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں (اور اگر وہ ہر گناہ پر دنیا میں پکڑ کرنے لگیں تو) تم زمین میں (کسی جگہ بھی پناہ لے کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد پاک ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. (سورۂ روم ع۵)
"بر و بحر (یعنی خشکی اور تری غرض ساری دنیا) میں لوگوں کے اعمال کی بدولت فساد پھیل رہا ہے (اور بلائیں قحط زلزلے وغیرہ نازل ہو رہے ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزا ان کو چکھا دے شاید کہ وہ اپنے ان اعمال سے باز آ جائیں۔"

اس قسم کے مضامین کلام پاک میں دو چار جگہ نہیں سینکڑوں جگہ وارد ہیں۔ پہلی آیت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تجھے بتاتا ہوں۔ اے علی! جو کچھ بھی تجھے پہنچے مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب ہو یا دنیا کی کوئی بھی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی لکڑی کی خراش یا کسی رگ کا حرکت کرنا یا قدم کی لغزش (ٹھوکر کھا جانا) یا پتھر کہیں سے آ کر لگ جانا جو کچھ بھی ہوتا

ہے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی بندہ کو کوئی زخم یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز جو پہنچتی ہے وہ کسی اپنی ہی کی ہوئی حرکت سے پہنچتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بدن میں کوئی تکلیف تھی۔ لوگ عیادت کے لئے آئے اور افسوس کرنے لگے۔ فرمایا: افسوس کی کیا بات ہے۔ کسی گناہ کی وجہ سے یہ بات پیش آئی ہے۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک پڑھ کر بھول جاتا ہے وہ کسی گناہ کی بدولت ہوتا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمانے لگے کہ قرآن شریف کو بھول جانے سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہوسکتی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے سر میں درد ہوا تو سر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگیں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ (درِّ منثور) (ابن کثیر)

اگرچہ بعض اوقات مصائب اور حوادث کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور معصوم بچوں کو بھی ابتلاء ہوتا ہے جو اپنے مواقع پر مذکور ہیں۔ مجھے اس جگہ ان آیات و احادیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے کہ جملہ احتمالات اور اشکالات کو ذکر کروں۔ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان آیات اور احادیث میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا گیا ہے اور ان حوادث اور آفات کا ایک خاص سبب بیان کیا گیا ہے اور وہ سبب اس قدر قوی ہے کہ اس کے زہریلے اثرات میں بسا اوقات وہ لوگ بھی گرفتار ہوجاتے ہیں جو ان معاصی میں مبتلا نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے آخر زمانہ میں خسف ہوگا (زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا) اور مسخ ہوگا (کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہوجائیں گے) اور قذف ہوگا (کہ آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے) کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہوسکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جب خباثت کی کثرت ہوجائے۔ (اشاعۃ بروایۃ ترمذی وغیرہ) خباثت کی کثرت کے وقت صلحاء کی موجودگی میں بھی عذاب ہوسکتا ہے۔ اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے کہ نیک کاموں کا آپس میں

ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے۔ بعض احادیث میں اس کے بعد ارشاد ہے کہ اس وقت اگر دعائیں بھی کی جائیں گی تو قبول نہ ہوں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس جماعت میں کوئی ناجائز بات جاری ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو مرنے سے پہلے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس جماعت کو کسی عذاب میں مبتلا فرما دیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک مرتبہ کسی آبادی کے اُلٹا دینے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس آبادی میں فلاں بندہ ایسا ہے جس نے کسی وقت بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ یہ صحیح ہے مگر میری وجہ سے کبھی بھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھ کر رنج اور غصہ بھی نہیں آیا کہ یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

اس قسم کی اور سینکڑوں احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے کہ ان میں ناجائز کاموں کو دیکھ کر کم از کم غصہ اور رنج نہ ہونے پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی ان کے روکنے پر اگر قدرت نہ ہو تو کم سے کم درجہ ان کو دیکھ کر رنج ہونا ضروری ہے۔ اب ہم لوگ اپنے حالات کو دونوں قسم کے ارشادات پر جانچ لیں کہ کس قدر معاصی اور گناہوں میں ہر وقت خود مبتلا رہتے ہیں اور سابقہ آیات و احادیث کی بناء پر کتنے حوادث اور عذاب ہم پر مسلط ہونا چاہئیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے اعمال کو چھوڑ کر اللہ کی کتنی نافرمانیاں ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور پھر کتنا اضطراب اور بے چینی ہم کو ان کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کیا تو ہم لوگوں کی دعائیں قبول ہوں اور کیا ہماری پریشانیاں دور ہوں۔ یہ تو اللہ کی رحمت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور ان کی مقبول دعاؤں کی برکت ہے کہ سب کے سب ہلاک نہیں ہو جاتے۔ ہمارے حالات یہ ہیں کہ ہر معصیت ہمارے یہاں قابل فخر ہے۔ اور ہر بددینی ترقی کا راستہ ہے اور ہر کفریات بکنے والا روشن خیال ہے۔ اور اس پر کوئی شخص نکیر کر دے یا کرنا چاہے وہ گردن زدنی ہے، کٹ ملا ہے، دنیا کے حالات سے اور ضروریاتِ زمانہ سے بے خبر ہے، جاہل ہے، ترقی کا دشمن ہے، ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکانے والا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

ارکانِ اسلام میں مداہنت کی مثالیں

یہ تو کلی ارشادات تھے۔ اب مثال کے طور پر چند جزئیات کو بھی دیکھتے جاؤ۔ مذہب اسلام میں ایمان کے بعد سب سے اہم درجہ نماز کا ہے۔ بہت سی احادیث میں نماز کے چھوڑنے کو کفر تک پہنچانے والا بتایا ہے۔ اسلام اور کفر کا امتیاز ہی نماز کو بتایا گیا ہے۔ نماز کے چھوڑنے میں کتنے کتنے دینی اور دنیوی نقصانات ہیں، ان کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ فضائل نماز میں ذکر کرچکا ہوں، یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن کتنے مسلمان ہیں جو اس اہم فریضہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نہ پڑھنے والوں کو ٹوکنے کی بھی کسی کی مجال نہیں ہے۔ کسی غریب مسلمان کو ٹوکا جاسکتا ہے لیکن کسی اعلیٰ طبقہ کے مسلمان کو بھی کہا جاسکتا ہے؟

محرمات پر جرأت

جن لوگوں کی جیب میں چار پیسے ہیں یا کوئی معمولی سی حکومت یا ریاست ان کو ملی ہوئی ہے، کسی کی مجال ہے کہ ان کو تنبیہ کرسکے۔ کیا ممکن کہ ان کی عالی بارگاہ تک اس اہم فریضہ کے چھوڑنے پر کوئی نکیر پہنچ سکے۔ کوئی بھی کلمہ اس بارے میں ان سے کہا جاسکے۔ اور اب تو اس سے بھی بڑھ کر ایک شخص ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان کہتا ہے کہ نماز کوئی عبادت ہی نہیں۔ اس کو ٹوکنا درکنار اس کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔ وہ علاّمہ ہے۔ مسلمانوں کے درد کا درمان (راحت وسکون) ہے۔ وقت کی ضرورت کو سمجھنے والا ہے۔ اس کے خلاف جو آواز اٹھائے وہ جاہل ہے، دو رکعت کا امام ہے، جو نہ مصلحت وقت کو سمجھتا ہے نہ مسلمانوں کی ضرورت سے واقف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے مگر ان کے اتباع کا دعویٰ کرنے والا شخص کہتا ہے کہ یہ ایک فالتو چیز ہے۔ اس پر اس کو دقیق نظری، باریک بینی کا تمغہ ملتا ہے۔ یہ واقعات ہوں اور پھر مسلمان اپنے اوپر مصائب اور حوادث کی شکایت کریں۔ ایسے حالات میں ہم پر جو جو بلائیں نازل ہوں وہ سب اس سے کم ہیں جس کے ہم اپنے اعمال سے مستحق ہیں۔ اور صرف اللہ کا رحم ہے کرم ہے، اس کی رحمت وحلم کی وسعت ہے کہ ہم صفحہ ہستی پر موجود ہیں

یہ تو ایک رکن ہوا اب اسلام کے باقی ارکان روزہ، زکوٰۃ، حج میں سے کسی ایک کو لے لو اور عالم پر ایک نگاہ ڈال کر اس کا حشر دیکھ لو کہ ان ارکان پر عمل کرنے والے کتنے ہیں۔ اب دوسری جانب محرمات میں ایک نہایت معمولی سی چیز شراب کو دیکھ لو کہ کتنے اسلام کی حمایت کے دعویدار اور ترقی اسلام پر مر مٹنے والے ایسے ہیں جو کس جرأت اور بے حیائی سے کھلم کھلا علی الاعلان پیتے ہیں۔

شراب کا بیان: قرآن شریف میں بار بار اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے اور صاف لفظوں میں اس کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے پینے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بنانے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بنوانے والے پر لعنت کی ہے، اس کے بیچنے والے پر لعنت کی ہے، خریدنے والے پر لعنت کی ہے، لاد کر لے جانے والے پر لعنت کی ہے اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر لعنت کی ہے، اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے بنانے والے پر اور بنوانے والے پر اور اس کے پینے والے پر، اٹھا کر لے جانے والے پر اور جس کے پاس لے جائی جائے اس پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور پلوانے والے پر (یعنی کوئی اپنے ملازم وغیرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو پلوائے تو آقا پلوانے والا ہوا اور ملازم پلانے والا) حاکم نے ان دونوں حدیثوں کو صحیح بتایا ہے۔ اب غور کرنے کی چیز ہے کہ اس ایک شراب کی بدولت کتنے آدمی ہیں جو اللہ کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں، اس کے رسول کی لعنت میں داخل ہوتے ہیں۔ اب غور کرو جن لوگوں پر اللہ پاک اور اس کا وہ رسول جو امت پر سب سے زیادہ شفقت اور مہربانی کرنے والا تھا، جو ہر وقت امت کی فلاح و کامیابی میں منہمک (مصروف) رہتا تھا، دونوں لعنت کرتے ہوں ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا اور جو باوجود قدرت کے اس پر سکوت (خاموشی اختیار) کریں، نکیر نہ کریں، وہی کون سے کچھ دور ہیں۔ اس کے بعد اپنی حالت کو دیکھو کہ نکیر درکنار کوئی نکیر کرنے والا، اس فعل کو برا کہنے والا ہو تو وہ تنگ نظر ہے، خشک ملا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شراب سے بچو، وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔" جب ہم

لوگ برائیوں کا مقفل (بند) دروازہ اپنے ہاتھ سے کھولیں، پھر برائیوں کی شکایت کیوں کریں۔ جب ایک سچے اور پکے خبر دینے والے نے فرمادیا کہ اس دروازہ کو کھولو گے تو فلاں چیز نکلے گی ہم خود دروازہ کھولتے ہیں اور وہ چیز نکلتی ہے تو واویلا کرتے ہیں۔اس بے وقوفی کی حد بھی ہے۔

سود کا بیان: اسی طرح سود ہی کے مسئلہ کو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اوّل غور کرو کہ اللہ جل جلالہ نے کس زور سے اس کے متعلق قرآن پاک میں تنبیہ اور ممانعت فرمائی۔ حتیٰ کہ اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو اعلانِ جنگ فرمادیا ہے جو سود کو نہ چھوڑیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (سورۂ بقرہ ع ۳۸) پس اگر تم ایسا کرو (یعنی سود کا بقایا روپیہ جو لوگوں کے ذمہ ہے نہ چھوڑ دو) تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں سود کے معاملات ہوتے تھے اس لئے یہ حکم نازل ہوا کہ جن کا سود کا روپیہ لوگوں کے ذمہ باقی ہے، وہ بھی اب ہرگز وصول نہ کریں چہ جائیکہ از سرنو سود لیں۔ احادیث میں نہایت کثرت سے اس پر وعیدیں آئی ہیں۔ کئی حدیثوں میں اس قسم کے ارشادات بھی وارد ہوئے ہیں کہ سود کے تہتّر باب (گناہ کے) ہیں، جن میں سے کم درجہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کوئی زنا کرے۔ اور بدترین سود (کے حکم میں ہے) مسلمان کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں ہے ایسے گناہوں سے اپنے کو بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہے، ان میں سے سود بھی ہے۔ جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں پاگلوں کی طرح ہوگا۔ متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی روپے کی گواہی دینے والوں پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کریں اس کا کیا حشر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں زناکاری اور سود خواری شائع (عام) ہوجائے، اس قوم نے اللہ کے عذاب کے واسطے اپنے کو تیار کرلیا ہے۔ ان ارشادات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آجکل کے معاملات کو شرعی قواعد سے جانچو (دیکھو)۔ کتنے معاملات ایسے ہیں جن میں سودی لین دین کھلم کھلا ہوتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر

یہ کہ سود کو جائز بتایا جاتا ہے۔ اس کے جواز پر رسالے لکھے جاتے ہیں۔ کوئی غریب اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس پر جھوٹے سچے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی بات نہ سنی جائے۔ یہ دو ایک مثالیں اجمالی طور پر میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ احکام شرعیہ کو تم خود دیکھ لو غور کرلو۔ جتنے احکام کرنے کے ملیں گے، ان میں تغافل، تساہل بلکہ انکار ملے گا اور جتنے امور نہ کرنے کے ہوں گے، ناجائز ہوں گے، حرام ہوں گے، ان پر جرأت و بے باکی اور اُن میں نہایت کثرت سے کھلم کھلا ابتلاء ملے گا۔ اوّل تو ان پر ٹوکنے والا، روکنے والا کوئی ملے گا نہیں اور اگر کسی جگہ کوئی ایک آدھ پرانے خیال والا ملے گا تو اس کا جو حشر ہو رہا ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان خصوصی مثالوں کے بعد اجمالی طور پر اب میں چند حدیثیں صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں، جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہم لوگوں کی پریشانیاں، حوادث، مصائب ہمارے خود اکٹھے کئے ہوئے ہیں، اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان سچا سمجھتے ہیں تو ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے وہ ہو کر رہیں گے۔ اگر ہم ان سے بچنا چاہتے ہیں تو اُن اعمال کو چھوڑ دیں۔ ہم لوگ آگ میں کود جائیں اور شور مچائیں کہ جل گئے جل گئے، اس سے کیا فائدہ۔ ان احادیث کو غور سے مطالعہ کرو اور کثرت سے دیکھا کرو۔

معاصی پر مصائب کی احادیث

عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشَرَۃَ خَصْلَۃً حَلَّ بِھَا الْبَلَاءُ قِیْلَ وَ مَا ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِذَا کَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا وَ الزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَ اَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ وَ عَقَّ اُمَّہٗ وَ بَرَّ صَدِیْقَہٗ وَ جَفَا اَبَاہُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَ کَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَ اُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَ لُبِسَ الْحَرِیْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقِیْنَاتُ وَ الْمَعَازِفُ وَ لَعَنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ

ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا. وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلاً وَالاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکوٰةُ مَغْرَمًا وَ تُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَ عَقَّ اُمَّهٗ وَ اَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَ ظَهَرَتِ الاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَ سَادَا لْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَ کَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَ اُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَ ظَهَرَتِ الْقِیْنَاتُ وَ الْمَعَازِفُ وَ شُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَ لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَ زَلْزَلَةً وَ خَسْفًا وَ مَسْخًا وَ قَذْفًا وَ اٰیَاتٍ تُتَابِعُ کَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْکُهٗ فَتَتَابَعَ رَوَاهُمَا التِّرْمِذِیْ.

وَ ذَکَرَهُمَا فِی الْمِشْکوٰةِ بِرِوَایَتِهٖ وَ ذَکَرَ صَاحِبُ الاِشَاعَةِ حَدِیْثَ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ بِاَطْوَلَ مِنْهُمَا وَ فِیْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ مِنْ حَدِیْثِ عَوْفٍ بِنَحْوِهٖ وَ فِیْهِ وَقَعَدَتِ الْحُمْلاَنُ عَلَی الْمَنَابِرِ وَاتُّخِذَ الْقُرْاٰنُ مَزَامِیْرَ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت یہ پندرہ کام کرنے لگے گی تو اس پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی۔ (۱) غنیمت کا مال ذاتی دولت بن جائے۔ (۲) امانت ایسی ہوجائے جیسا غنیمت کا مال۔ (۳) زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان سمجھا جائے (کہ جیسے تاوان ادا کرنا مصیبت ہوتا ہے، ایسے ہی زکوٰۃ ادا کرنا تاوان مصیبت بن جائے)

(۴)(۵) بیویوں کی فرمانبرداری کی جائے اور ماں کی نافرمانی کی جائے۔

(۶)(۷) دوستوں اور یاروں سے نیکی کا برتاؤ کیا جائے اور باپ کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کیا جائے۔ (۸) مسجدوں میں شور و شغب ہونے لگے۔ (۹) رذیل (کمینے) لوگ قوم کے ذمہ دار سمجھے جائیں۔ (۱۰) آدمی کا اکرام اس وجہ سے کیا جائے کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں (یعنی وہ اکرام کے قابل نہیں مگر اس وجہ سے اس کا اعزاز کیا جائے کہ وہ کسی مصیبت میں نہ مبتلا کردے) (۱۱) شراب (علی الاعلان) پی جائے۔

(۱۲) (مرد) ریشمی لباس پہنیں۔ (۱۳) گانے والیاں (ڈومنیاں کنچیاں وغیرہ) مہیا کی جائیں۔ (۱۴) باجے بنائے جائیں (کہ عام طور سے استعمال کئے جائیں) (۱۵) امت کے پہلے لوگوں کو (صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کو) برا کہا جائے تو امت کے لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زمین میں دھنس جانے اور صورتیں مسخ ہوجانے (اس قسم کے

عذابوں) کا انتظار کریں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب بیت المال کا مال ذاتی دولت بن جائے اور امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے اور زکوٰۃ تاوان بن جائے اور علم کو دین کے واسطے نہ سیکھا جائے (بلکہ دنیوی اغراض مال و دولت وجاہت وغیرہ کے لئے سیکھا جائے) بیوی کی اطاعت ہو اور ماں کی نافرمانی، یاروں سے قرب ہو اور باپ سے دوری ہو، مسجدوں میں شور و شغب ہونے لگے، فاسق لوگ سردار بن جائیں، رذیل لوگ قوم کے ذمہ دار بن جائیں، برائی کے ڈر سے آدمی کا اعزاز کیا جائے، گانے والیاں اور باجے کھلم کھلا استعمال کئے جائیں، شرابیں پی جائیں اور اُمت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے تو اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ اور زمین میں دھنس جانے اور صورت مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔ تیسری حدیث میں ان دونوں کے قریب قریب مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ کم عمر بچے منبروں پر وعظ کہنے لگیں۔

فائدہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کو شمار کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو اس زمانہ میں نہایت شدومد (زور) سے شائع نہیں ہے۔ ایک ایک جز کو ان اجزاء میں سے لو اور دنیا کے حالات پر نظر کرو تو یہ معلوم ہوگا کہ ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا غلبہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس قوم کے دلوں میں دشمنوں کا خوف ڈال دیں گے اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اس قوم میں اموات کی کثرت ہوگی۔ اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی اس کی روزی میں کمی ہوگی۔ اور جو جماعت حق کے خلاف فیصلے کرے گی اس میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو لوگ بدعہدی میں مبتلا ہوں گے ان پر اللہ جل شانہ کسی دشمن کو مسلط فرما دیں گے۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (خاص طور سے) متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور خدا نہ کرے کہ تم ان میں مبتلا ہو (تو ان کے عذاب مسلط ہو جائیں گے) ایک یہ کہ جس قوم میں فاحشہ (زنا وغیرہ) کھلم کھلا ہونے لگے اس میں طاعون اور ایسی نئی نئی بیماریاں ہوں گی جو پہلے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ اور جو جماعت ناپ تول میں کمی کرے گی وہ قحط اور مشقت اور

بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوگی۔ اور جو لوگ زکوٰۃ روکیں گے ان سے بارش بھی روک لی جائے گی۔ اگر (بے زبان) جانور نہ ہوں تو ذرا بھی ان پر بارش نہ برسائی جائے (مگر جانوروں کی ضرورت سے تھوڑی بہت ہوگی)۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑیں گے وہ دشمنوں میں گھر جائیں گے۔ اور جو لوگ ناحق کے احکام جاری کریں گے وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے۔ (ترغیب) اور یہ مضمون تو متعدد روایات میں آیا ہے کہ زنا کی کثرت فقر کو پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو قوم بدعہدی کرتی ہے، اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے اور جس قوم میں فحش (زنا وغیرہ) کی کثرت ہوتی ہے، اس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے اور جو جماعت زکوٰۃ کو روک لیتی ہے ادا نہیں کرتی، اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے، وہ (ہر شخص سے مرعوب رہتے ہیں) حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس امت کی ہلاکت بدعہدی سے ہوگی۔ (درّ منثور)

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اس اُمت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہولعب میں مشغول ہوگی اور صبح کو بندر اور سور کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور بعض لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا۔ اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے۔ اور بعض لوگ آندھی سے تباہ ہوں گے۔ اور یہ سب کچھ کیوں ہوگا؟ ان حرکتوں کی وجہ سے، شراب پینے کی وجہ سے، ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے، گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے، سود کھانے کی وجہ سے اور قطع رحمی کی وجہ سے۔ (حاکم نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے) (درمنثور) ایک حدیث میں ہے کہ جس طاعت کا ثواب سب سے زیادہ جلدی ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ حتیٰ کہ بعض گھرانے والے گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مال بھی بڑھ جاتے ہیں اور اولاد کی بھی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ جلد عذاب لانے والے گناہ ظلم ہے اور جھوٹی قسم ہے کہ یہ مال کو بھی ضائع کرتے ہیں اور عورتوں کو بانجھ کر دیتے ہیں (کہ اولاد پیدا نہیں ہوتی) اور

آبادیوں کو خالی کر دیتے ہیں (درّ منثور) یعنی اموات کی کثرت ہوتی ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر گناہ کا عذاب حق تعالیٰ شانہ جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرما دیتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کا وبال بہت جلد ہوتا ہے۔ زندگی ہی میں مرنے سے پہلے پہلے اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ (درّ منثور) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم عفیف رہو تو تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی۔تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی۔ (درّ منثور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور کتنے اہتمام سے فرمایا ہے فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو (لوگوں کو تبلیغ کرتے رہو) اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہ تم پر عذاب نازل فرمائیں گے اور تم لوگ اس وقت دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے روکنا) کرتے رہو، اس سے قبل کہ ایسا وقت آجائے کہ جس میں تم دعا کرو تو وہ بھی قبول نہ ہو۔ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ چند آدمیوں کے کسی (ناجائز) کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتے جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں۔ اور جب یہ نوبت آجائے تو پھر عام و خاص سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ (درّ منثور)

یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آجکل نئی نئی آفات، زلزلے، طوفان، قحط، ریلوں کا ٹکرانا، وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے حوادث روز مرہ کے ہوگئے ہیں جن کی حد نہیں۔ نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روز افزوں ہیں جو پہلے کبھی برسوں میں بھی نہیں پیش آتے تھے۔ اخبار بین حضرات اس سے بہت زیادہ واقف ہیں اور چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بھی تقریباً بند ہے اس لئے دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بھی مشکل ہے۔نمازوں کے بعد دعاؤں کے اعلان کر دینے سے کیا کفایت ہو جبکہ دعا قبول نہ ہونے کے ہم اسباب خود اختیار کریں۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور بعض روایات میں تیسرا شخص رائش یعنی جو درمیانی واسطہ رشوت دینے میں ہو، اس پر

بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ اب دیکھو کہ کتنے آدمی اس بلا میں مبتلا ہیں اور جن پر اللہ کا سچا اور مقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم لعنت کرے، ان کا کیا حشر ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ظلم نہ کرو کہ تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ ظالم کو مہلت دیتے ہیں (شاید باز آجائے) لیکن جب پکڑتے ہیں پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ. اور آپ کے رب کی دار گیر (پکڑ) ایسی ہی سخت ہے۔ جب وہ کسی بستی والوں پر جو ظالم ہوں دار گیر کرتا ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ اور سخت ہے۔ اب دنیا کے مظالم کو دیکھو اور پھر سوچو کہ جب اللہ کی پکڑ سختی سے ہو تو مصائب اور پریشانیوں کی کیا انتہا ہوسکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (ترغیب۔ حصن حصین)

ایک حدیث میں آیا ہے اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں: میرا غصہ اس شخص پر نہایت سخت ہوتا ہے جو کسی ایسے شخص پر ظلم کرے جو میرے سوا کوئی مددگار نہیں رکھتا۔ (معجم صغیر)

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن — اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والے اس پر رحم نہیں کرتے۔ (ترغیب) ایسی حالت میں جب مظلوموں کی بددعائیں روزافزوں ہوں اور آسمان والے رحم نہ کریں تو بجلیاں، اولے، طوفان جتنے بھی آئیں قرینِ قیاس (یقینی بات) ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو کہ اس کے قبول ہونے میں کوئی چیز حائل نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (حصن)

ایک حدیث میں وارد ہے میری امت خیر اور بھلائی پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں (زنا کی اولاد) کی کثرت نہ ہو اور جب ان کی کثرت ہوگی تو حق تعالیٰ شانہ اس امت کو ایک عام عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔ (ترغیب) مخفی حرامکاریوں کا

تو کیا ذکر، کوئی بڑے سے بڑا شہر یا چھوٹے سے چھوٹا قصبہ بھی ایسا ہے جہاں کھلم کھلا علی الاعلان زنا کی کثرت اور حرامی بچوں کی پیداوار نہ ہوتی ہو اور میونسپلٹی کے مسلم ممبران اس پر مجبور نہ ہوں کہ اس بے پدری اولاد کی روزافزوں پیداوار کے لئے مستقل جگہوں کا انتظام کریں اور ان کے مکانات کے لئے وسیع جگہ مہیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آبادی میں سودخواری اور زناکاری علی الاعلان ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہاں کے لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو اتار رہے ہیں۔ (ترغیب) ذرا غور تو کرو کتنے آدمی ہیں جو اس بدکاری میں مبتلا ہیں اور کتنے مہذب اور شریف آدمی ہیں جو اس سیہ کاری کے لئے مکانات کرایہ پر دیتے ہیں اور کتنے دیندار میونسپل کمشنز ایسے ہیں جو اس ذلیل کام کے لئے جگہوں کا انتظام کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سی صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصویر ہو (رحمت کے) فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔ ابو وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک شام کے ایک غزوہ میں شریک تھا۔ ایک جگہ ٹھہرنا ہوا۔ وہاں کا رئیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتا ہوا (زیارت کے شوق میں) آیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو ان کو سجدہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سجدہ کیسا؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارا اپنے بادشاہوں کے ساتھ یہی معمول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سجدہ اسی معبود کو کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے درخواست کی کہ میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے۔ غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے مکان میں تصویریں تو نہیں ہیں؟ اس نے عرض کیا: تصویریں تو ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس میں نہیں جاتے۔ تُو ایک قسم کا کھانا بھیج دینا۔ اس نے بھیج دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تناول فرمالیا۔ (حاکم)

اب دنیا کے مہذب مکانوں پر بھی ایک نگاہ ڈالو۔ کیا بغیر تصویر کے مکان کی آرائش ہوسکتی ہے۔ اور مجال ہے کہ کوئی تنگ نظر مولوی ٹوک سکے۔ تم ہی بتاؤ کہ جب ہم رحمت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کرلیں اور عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کے اسباب جتنے ممکن ہوسکیں اختیار کرتے رہیں پھر ہماری پریشانیاں اور مصائب کیوں نہ روزافزوں ہوں۔ ہمارے اسلاف کا عمل یہ ہے کہ وہ کفار کے ان مکانوں میں بھی جانا

گوارا نہ کریں جہاں تصاویر ہوں اور ہم ناخلفوں کا عمل یہ کہ مسلمان ہو کر اس ناجائز چیز سے مکان کو زینت دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک ارشاد کو غور سے دیکھتے جاؤ اور اپنا اور دنیا کا جائزہ لیتے جاؤ اور اسلامی تعلیم کے کمال اور مسلمانوں کی دینی تعلیم سے حیرت انگیز اعراض (دوری) پر تعجب میں بڑھتے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو دو فرشتے اس کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں: لوگو! اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تھوڑا سا مال جو (ضروریات کو) کفایت کر جائے بہتر ہے اس کثیر مال سے جو لہو میں مشغول کرے۔ اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے قریب دو فرشتے کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں: اے اللہ! (خیر میں) خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو تلف کر۔ (ترغیب)

اب غور کرو جو لوگ بخل اور کنجوسی سے مصائب اور مشقتیں اٹھا کر جمع کر کے رکھتے ہیں (اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے) کس طرح اس مال کی بربادی کے لئے اپنے اوپر پریشانیاں اور مصائب جمع کرتے ہیں کہ کبھی تو اس کے تلف ہونے کے واسطے کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تو حکیم ڈاکٹر دوا علاج میں سینکڑوں پر پانی پھر جاتا ہے اور اگر جھوٹی سچی مقدمہ بازی شروع ہو گئی تو سارا ہی اندوختہ (تمام جمع کردہ) نبٹ جاتا ہے اور اگر کسی کے اپنے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے اپنی حفاظت بھی رہی تو اولاد ایسی آوارہ ہوتی ہے کہ وہ باپ کی برسوں کی کمائی کو مہینوں کی عیاشی میں اڑا دیتی ہے۔

یہ فرضی قصے نہیں ہیں آئے دن کے واقعات ہیں کہ بڑوں نے محنت اور مشقت اٹھا کر لہو پسینہ ایک کر کے بہت سا مال جمع کیا اور ان کے مرتے ہی ناخلف ورثا نے برسوں کی کمائی مہینوں میں بلکہ ہفتوں میں اُڑا دی۔ اسی لئے متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا یا پہن لیا یا (اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے) جمع کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے۔ (ترغیب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ تُو جو مال اپنی روزی سے زیادہ جمع کرے وہ دوسروں کا ہے اور تُو خزانچی ہے۔ (کتاب المخلات) سینکڑوں روایات کتب حدیث میں اس قسم کے مضامین کی وارد ہوئی ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہے وہ سب

دوسروں پر خرچ کرنے کے واسطے ہے، جمع کرنے کے واسطے نہیں۔ کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ. (سورۂ بقرہ رکوع ۲۷) ''آپ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ جو بچے (یا جو سہل ہو)۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عفو وہ ہے جو اہل وعیال سے بچ جائے۔

یہاں ایک چیز پر اور بھی غور کرتے چلو کہ غریب کی مدد اور غربت کے ازالہ کا علاج جس کو آجکل بہت ہی اہمیت دی جارہی ہے کیا اسلامی تعلیم سے بہتر کہیں ملتا ہے۔ ایک شخص کو مجبور کرنا کہ اس کو اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ ملے۔ اور ایک شخص کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ رکھے اور برضا و رغبت سب کچھ غریبوں پر خرچ کردے۔ دونوں نظریوں میں کتنا فرق ہے کہ پہلا ظلم محض ہے دوسرا خیر محض۔ پہلے میں حوصلوں کو پست کرنا ہے، مستعد لوگوں کو بے کار بنانا ہے اور دوسرے میں ہمتوں کو بلند کرنا ہے اور جو شخص جتنا بھی کما سکتا ہے اس سے زیادہ پیدا کرنے اور اپنی خوشی سے خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیب میں اپنی ضرورت سے زیادہ ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ اپنی ضرورتوں کو فنا کرکے دوسروں پر خرچ کرنا بھی اسلامی تعلیم ہے۔

انفاق و ایثار: چنانچہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں ارشاد ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (سورۂ حشر ع۱) کہ اپنے اوپر ان کو (یعنی مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود پر فاقہ ہی ہو۔ اور پھر یہ سب کچھ زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عمل کرکے دکھا دیا اور دوسروں سے عمل کرا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام حالات اس کے شاہد عدل ہیں۔ کتب حدیث کی کتاب الزہد اور کتاب الرقاق ان مضامین سے پُر ہیں اور کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں چند واقعات لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ نہ تو یہ مضمون مقصود ہے اور نہ گنجائش۔ تبعاً ذکر آ گیا تھا۔ مجھے اس جگہ تو صرف یہ بتانا ہے کہ جس نوع کی پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں وہ ہماری اپنی ہی جمع کی ہوئی ہیں اور ایسے سچے پکے معتبر حاذق (مضبوط) حکیم نے، جس کا نسخہ نہ کبھی خطا کرتا ہے نہ کرسکتا ہے، صاف صاف امراض کے اسباب بھی بتا دیئے اور ان کے علاج بھی بتا دیئے۔ اب اسبابِ مرض سے

بچنا اور علاج کرنا طبیب کا کام نہیں ہے۔ کوئی التفات نہ کرے تو اپنا نقصان کرتا ہے۔

شریعت پر عمل مرض کا علاج ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً. (مشکوٰۃ ص ۲۲) بالتحقیق میں تمہارے پاس ایسی شریعت لایا ہوں جو روشن اور صاف ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلىٰ مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَ نَهَارُهَا سَوَاءٌ. (جمع الفوائد) اللہ کی قسم میں نے تمہیں ایسے (طریقہ پر) چھوڑا ہے (جو بالکل روشن) سفید ہے۔ جس کا رات دن برابر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز پر تنبیہ فرما دی اور دین و دنیا کا کوئی جُز ایسا نہیں چھوڑا ہے جس پر اس مختصر چند سالہ زندگی میں تبصرہ نہ فرما دیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال کرنے میں جلدی کرو اور ایسے فتنوں کے پیدا ہونے سے (پہلے پہلے کرلو) جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے (کہ حق ناحق کا امتیاز مشکل ہو جائے گا) ان میں صبح کو آدمی مومن ہوگا شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا صبح کو کافر۔ اپنے دین کو تھوڑے سے دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی طرف رجوع (اور توبہ) کرلو اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے اعمالِ صالحہ کرلو اور اللہ جل شانہ کو کثرت سے یاد کر کے اور مخفی اور علانیہ (چھپ کر اور ظاہراً) صدقہ کر کے اللہ کے ساتھ رابطہ جوڑ لو کہ ان چیزوں کی وجہ سے تم کو رزق بھی عطا کیا جائے گا، تمہاری مدد بھی کی جائے گی اور تمہارے نقصان کی بھی تلافی کردی جائے گی۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص ظالم کو معاف کردے حق تعالیٰ شانہ اس کی عزت بڑھاتے ہیں۔ لہٰذا مظالم کو معاف کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے گا اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اس پر فقر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (معجم صغیر)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے

(یعنی نکاح کرنے کے لئے بجائے دیانت، تقویٰ اور دینداری کے مالدار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار چیزیں مسلط فرما دیں گے۔ زمانہ کا قحط اور بادشاہ کا ظلم اور حکام کی خیانت اور دشمنوں کا حملہ۔ (حاکم) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ گناہ کا بدلہ عبادت میں سستی، روزی میں تنگی اور لذت میں کمی ہے (تاریخ الخلفاء)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ کبھی ترش روئی سے آپ مجھ سے پیش نہیں آئے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کر، اس سے عمر میں اضافہ ہوگا اور تیرے محافظ فرشتے تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ (طبرانی صغیر) اور نماز کا کچھ حصہ گھر میں مقرر کر۔ اس سے گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا اور جب گھر میں جایا کرے تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کر۔ اس کی برکت تجھ پر بھی ہوگی اور گھر کے لوگوں پر بھی۔ نماز کے اہتمام میں جو دینی اور دنیوی برکات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو میرا رسالہ فضائلِ نماز دیکھیں۔ یہاں اختصار کی وجہ سے ان کو ذکر نہیں کرتا۔

طاعات وعبادات فلاح دارین کا سبب ہیں اور اس کے چند واقعات

ان سب روایات سے یہ بات واضح ہے کہ جیسے معاصی اور گناہوں کی کثرت پریشانیوں اور حوادث کی کثرت کا سبب ہے، ایسے ہی طاعات اور عبادات دارین (دنیا وآخرت) کی فلاح کا سبب ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَأْ صَدْرَکَ غِنًی وَ اَسُدُّ فَقْرَکَ وَ اِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ یَدَیْکَ شُغْلاً وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَکَ کَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ بِرِوَایَۃِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِیْ وَ اِبْنِ مَاجَۃَ وَالْحَاکِمِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ رَقَمَ لَہٗ بِالْحَسَنِ.

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: اے آدم کی اولاد! تُو میری عبادت کے لئے فراغت (کے اوقات نکال لے) میں تیرے سینے کو غنا (اور بے فکری) سے پُر کردوں گا اور تیرے فقر (وفاقہ) کو دُور کردوں گا اور اگر تُو ایسا نہ کرے گا (کہ میری عبادت کے لئے فارغ بنے) تو تجھے مشاغل میں پھنسا دوں گا اور تیرا فقر زائل نہ کروں گا۔

یہ ارشاد خداوندی ہے اور اس مالک الملک اور قادر مطلق کا ارشاد ہے جس کے قبضہ وقدرت میں دنیا کی ہر چیز ہے۔ نیز اس کے ہم معنے اور بھی روایات ہیں جن میں دنیا کی فلاح و کامیابی کا مدار اللہ کی عبادت پر رکھا ہے لیکن ہم لوگ دنیا کمانے کے واسطے عبادت ہی کے اوقات پر سب سے پہلے صفایا کرتے ہیں۔ جب اس طرح اللہ کی نافرمانیوں میں ہماری ترقیات ہوں تو پھر ہماری پریشانیوں اور تنگ دستیوں میں کیوں نہ اضافہ ہو۔ دین سے بے پرواہ ہوکر مسلمان روٹی کا سوال حل کرنا چاہیں تو کیسے ممکن ہے۔ جب روٹی دینے والا یہ کہے کہ میں نہ فقر کو دور کروں گا نہ دل کو مشاغل سے خالی کروں گا۔ صحیح حدیث میں اللہ جل شانہ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اگر بندے میری اطاعت (پوری پوری) کریں تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بارش برساؤں اور دن میں آفتاب نکلا رہے (کہ کاروبار میں حرج نہ ہو) اور بجلی کی آواز بھی ان کے کان میں نہ پڑے (تاکہ ان کو ذرا سا بھی خوف و ہراس نہ ہو) (جامع الصغیر) لیکن ہم لوگوں کی شامت اعمال کہ دن اور رات کا یہ نظم درکنار جگہ جگہ بارشوں کی قلت بڑھتی رہتی ہیں۔ اور جہاں ہوتی ہیں سیلاب کی صورتوں میں بسا اوقات ہوتی ہیں۔

احیاء میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ نہایت سخت قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ تین دن تک استسقاء کی نماز کے لئے باہر تشریف لے جاتے رہے مگر بارش نہ ہوئی۔ تیسرے دن وحی آئی کہ اس جماعت میں ایک شخص چغلخور ہے اس کی وجہ سے تم لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اس کا علم ہوجائے تاکہ اس کو مجمع سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ میں تمہیں چغلی سے منع کروں اور خود اس شخص کی چغلی کھاؤں، اس لئے تعین نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرما کر توبہ و استغفار کی تلقین فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ چغلخوری سے سب سے توبہ کرائی۔ فوراً بارش شروع ہوگئی۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سات سال تک ایسا سخت قحط پڑا کہ کوڑیوں (گھوروں) پر سے مُردار اٹھا کر لوگوں نے کھائے اور آدمیوں کے کھانے کی نوبت پہنچ گئی۔ لوگ پریشان حال جنگلوں اور پہاڑوں پر روزانہ دعاؤں اور استسقاء کی نمازوں کے لئے نکلتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے

اس زمانہ کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تمہاری زبانیں دعائیں کرتے کرتے کتنی ہی خشک ہو جائیں اور آسمانوں تک ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھ جائیں، اس وقت تک میں کسی رونے والے پر بھی رحم نہیں کروں گا جب تک کہ آپس کے مظالم دُور نہ کئے جائیں۔ کتب تواریخ و احادیث میں اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ الغرض سینکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے اعمال حسنہ پر دارین کی فلاح اور اعمال سیئہ پر دارین کے نقصانات تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں۔ ان روایات کا نہ احصا (گھیرنا) مجھ سے ممکن ہے نہ مقصود ہے۔ غرض ان مثالوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ ہم خود اپنے افعال سے مہلکات میں پڑتے رہیں، نقصان دہ امور اختیار کرتے رہیں اور زبان سے مسلمانوں کی تباہی کا گیت گاتے رہیں۔ ہماری مثال اس بیمار کی سی ہے جس کو اسہال کا مرض ہو۔ وہ دمادم مسہل، دواؤں کا استعمال کرتا رہے اور شور مچاتا رہے کہ دست نہیں تھمتے۔ کوئی اس بیوقوف سے پوچھے کہ تُو خود مسہلات کا استعمال کر رہا ہے تو یہ اطوار تھمنے کے ہیں یا بڑھنے کے۔ ہم انگریزوں کے مظالم کا رونا ہر وقت روتے ہیں اور آنے والی حکومت کے خطرات سے اور بھی زیادہ خائف ہیں لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ہم کو متنبہ نہیں فرمایا۔ کیا حکومتوں کے اسباب اور اعمال کو واضح الفاظ میں نہیں بتا دیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ ابی و امی) کی شفقت یا تعلیم و تنبیہ میں کسی قسم کی کمی ہے۔ حاشاء و کلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فرماتے ہیں: كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤْمَرُ عَلَيْكُمْ. (مشكوٰة وَ لَهٗ طُرُقٌ فِي الْمَقَاصِدِ الْحَسَنَةِ) ”جیسے تم لوگ (اپنے اعمال کے اعتبار سے) ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔“ اس لئے اگر ہم اپنے اوپر بہترین افراد کی حکومت چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج بہترین اعمال ہیں اور کچھ نہیں۔

حدیث: بادشاہوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَ

مَلِکُ الْمُلُوْکِ قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدِیْ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِهِمْ عَلَیْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَ الرَّاْفَةِ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَ النَّقْمَةِ فَسَامُوْ هُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلاَ تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْکِ وَ لٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَ التَّضَرُّعِ كَیْ اَكْفِیَكُمْ مُلُوْكَكُمْ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ كَذَا فِی الْمِشْكٰوةِ. وَ فِی مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ بِرِوَایَةِ الطَّبْرَانِیْ وَ فِی الدُّرِّ الْمَنْثُوْرِ ج۴ ص۱۸۹ اَخْرَجَ اِبْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ عَنْ مَالِک ابن مَغول قَالَ فِیْ زَبُوْر دَاوُد علیہ السلام مکتوب اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنَا فذكر معناه.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کا ارشاد ہے: ''میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر رحمت اور مہربانی کے لئے پھیر دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل ان پر غصہ اور انتقام کے لئے پھیر دیتا ہوں جس سے وہ ان کو سخت عذاب (اور تکالیف) پہنچانے لگتے ہیں۔ اس لئے تم بجائے بادشاہوں پر بددُعائیں کرنے کے میرے ذکر کی طرف متوجہ ہو اور (میری طرف) عاجزی (اور زاری) کرو تاکہ میں ان کی تکالیف سے تمہیں محفوظ رکھوں۔'' مالک ابن مغول کہتے ہیں کہ میں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یہی مضمون پڑھا ہے۔''

اس قسم کے مضامین بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے۔ دعاء ماثورہ میں ہے اَللّٰهُمَّ لاَ تُسَلِّطْ عَلَیْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا. اے اللہ! ہمارے اوپر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کریں۔

حق جل و علا کا ارشاد ہے: وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ. (سورۂ انعام ع۱۵) ''اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر ان کے اعمال کی وجہ سے حاکم بنا دیتے ہیں۔'' اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب جلالین وغیرہ نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اعمش فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے

اعمال خراب ہو جاتے ہیں تو ان پر بدترین لوگوں کو حاکم بنایا جاتا ہے۔

اللہ کے راضی یا ناراض ہونے کی علامات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اللہ جل شانہ سے دریافت کیا کہ لوگوں سے آپ کے راضی ہونے کی علامت کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت ان پر بارش نازل کرتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں۔ ان کے انتظامی امور حلیم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور ان کے اموال عامہ کو کریم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ان سے ناراض ہونے کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھیتی بونے کے وقت بارش کو روک لیتا ہوں اور کاٹنے کے وقت برساتا ہوں اور ان کے انتظامی امور کو بیوقوفوں کے سپرد کرتا ہوں اور اموال عامہ کو بخیلوں کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ (درِّ منثور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ اللہ جل جلالہ بدترین لوگوں کو تمہارا حاکم بنا دیں گے۔ پھر تمہارے بہترین لوگ بھی دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی۔ (جامع) جن لوگوں کو یہ اشکال دامن گیر رہتا ہے کہ یہ بزرگ دعا کیوں نہیں کرتے یا ان کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی وہ اس پر بھی غور کر لیا کریں کہ وہ خود نیک کاموں کا کتنا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے کتنا روکتے ہیں اور یہ چیز جب چھوٹ گئی تو دعاؤں کے قبول ہونے کی امید بے محل (بے کار) ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا وَّلّٰى عَلَيْهِمْ حُلَمَائَهُمْ وَ قَضٰى بَيْنَهُمْ عُلَمَائُهُمْ وَ جَعَلَ الْمَالَ فِيْ سُمَحَائِهِمْ وَ اِذَا اَرَادَ بِقَوْمٍ شَرًّا وَّلّٰى عَلَيْهِمْ سُفَهَائَهُمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ جُهَّالُهُمْ وَ جَعَلَ الْمَالَ فِيْ بُخَلَائِهِمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ الدَّيْلَمِيْ وَ رَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا غَضِبَ عَلٰى اُمَّةٍ لَمْ يَنْزِلْ بِهَا عَذَابُ خَسْفٍ وَ لَا مَسْخٍ غَلَتْ اَسْعَارُهَا وَ يَحْبَسُ عَنْهَا اَمْطَارَهَا وَيَلِيْ عَلَيْهَا اَشْرَارَهَا كَذَا فِي الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ عَنْ عَلِيٍّ وَ رَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ لٰكِنْ رَاَيْتُ اَنَّ الْحَدِيْثَ لَهٗ طُرُقًا عَدِيْدَةً بِاَسَانِيْدَ شَتّٰى وَ تَاَيَّدَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَ

كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ الْاٰیَةِ عَلٰی مَا وَرَدَ تَفْسِیْرُهٗ فِیْ عِدَّةِ اٰثَارٍ فِی الدُّرِّالْمَنْثُوْرِ وَغَیْرِهٖ وَ فِیْ مَجْمَعِ الْزَّوَائِدِ عَنْ جَابِرٍ رَفَعَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ یَقُوْلُ اَنْتَقِمُ مِمَّنْ اَغْضَبُ بِمَنْ اَغْضَبُ ثُمَّ اُصَیِّرُ کُلًّا اِلَی النَّارِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ وَ فِیْهِ اَحْمَدُبْنُ بَکْرِ الْبَاسِیْ ضَعِیْفٌ.

جب اللہ جل شانہ کسی قوم کی بہبود کا ارادہ فرماتے ہیں تو حلیم لوگوں کو حاکم بناتے ہیں (کہ غصہ میں بے قابو نہ ہو جائیں) اور علماء ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں (کہ علم کی روشنی میں حق کے موافق فیصلہ کریں) اور مال سخی لوگوں کے قبضہ میں کر دیتے ہیں (کہ ہر شخص کو اس کی سخاوت سے نفع حاصل ہو)۔ اور جب کسی قوم کی (بداعمالیوں کی وجہ سے) برائی مدنظر ہوتی ہے تو بیوقوفوں کو حاکم بنا دیا جاتا ہے اور جاہلوں کے ہاتھ میں ان کے فیصلے ہو جاتے ہیں اور مال بخیلوں کو دے دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جب کسی جماعت پر اللہ جل شانہ کا غصہ ہوتا ہے اور آخری عذاب مثلاً دھنس جانا یا صورتوں کا مسخ ہو جانا نازل نہیں ہوتا تو نرخ میں گرانی کر دیتے ہیں اور بارش کو روک لیتے ہیں اور بدترین لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں ایسے لوگوں کے ذریعہ جو مغضوب ہیں (یعنی ان پر میرا غضب ہے) دوسرے مغضوبوں سے انتقام لیتا ہوں پھر سب کو جہنم میں ڈال دیتا ہوں۔

اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہے لَاتَسُبُّوا لاَئِمَّةَ وَادْعُوا اللّٰهَ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ فَاِنَّ صَلَاحَهُمْ لَکُمْ صَلَاحٌ. (کَذَا فِی الْمَجْمَعِ وَ فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَةِ الطَّبْرَانِیْ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ) ارشاد ہے کہ حکام کو گالیاں نہ دو بلکہ ان کے لئے صلاحیت کی دعا کرو کہ ان کی صلاحیت میں تمہاری صلاح بھی مضمر ہے (یعنی گالیاں دینے سے تو ان کی درستی ہونے سے رہی)۔ دوسری حدیث میں وارد ہے: لَاتَشْغَلُوْا قُلُوْبَکُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْکِ وَلٰکِنْ تَقَرَّبُوْا اِلَی اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ یَعْطِفُ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عَلَیْکُمْ کَذَا فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَةِ ابْنِ النَّجَّارِ عَنْ عَائِشَةَ. اپنے قلوب کو سلاطین اور بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو بلکہ اللہ کی طرف تقرب حاصل کرو اور متوجہ ہو کر ان کے لئے دعائے خیر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ ان کے دلوں کو تمہارے اوپر مہربان کر دیں۔

مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس بیٹھے تھے۔ لوگوں نے بلال بن ابی بردہ کا ذکر شروع کر دیا اور اُس کو برا بھلا کہنے لگے۔ ابن عون چپ بیٹھے رہے۔ لوگوں نے کہا کہ تمہاری ہی وجہ سے ہم اس کو برا بھلا کہتے ہیں کہ اس نے تم پر زیادتی کی۔ ابن عون کہنے لگے کہ میرے اعمالنامہ میں ہر کلمہ لکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن وہ پڑھا جائے گا۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ اس میں کسی کو برا بھلا کہنے کے بجائے لا الٰہ الا اللہ (کثرت سے) نکلے۔ (احیاء)

اپنے اعمال ہی حاکم ہوتے ہیں

ایک بزرگ کے سامنے کوئی شخص حجاج ظالم کو بددعا دینے لگا۔ انہوں نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مر جائے تو تم پر بندر اور سور نہ حاکم بنا دیئے جائیں۔ (مقاصد حسنہ) اور اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ تو ضرب المثل ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو حدیث بھی بتایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے حاکم ہیں۔ جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام مسلط کئے جائیں گے۔[1] الغرض مجھے ان چیزوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ مجھے مثال کے طور پر یہ بتانا ہے کہ جس قسم کی پریشانیاں حوادث، مصائب ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور مسلمان ان میں مبتلا ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ان سب پر تنبیہ ہے۔ احادیث کی کتب ان مضامین سے پُر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں دنیا میں مصائب کا سبب ہیں اور نیک اعمال دنیا میں بھی فلاح کا ذریعہ ہیں اور پھر خاص خاص گناہوں پر خاص خاص حوادث اور مصائب بھی بتا دیئے ہیں اور مخصوص طاعات پر مخصوص انعامات کا ترتب بھی ارشاد فرما دیا ہے۔ ہم لوگ حوادث کی شکایات کا طومار (یعنی دریا بہا دینا) باندھ دیں اور انعامات کی ہر وقت امید لگائے بیٹھے رہیں، لیکن جن امور پر یہ چیزیں مرتب ہیں ان سے یکسر غافل رہیں

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے (تقویٰ اختیار کرتا ہے) حق تعالیٰ شانہ ہر چیز کے اندر اس کا خوف پیدا کر دیتے ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں ہر چیز کا خوف پیدا کر دیتے ہیں۔ (درمنثور) ج ۶ ص ۹۹

بلکہ ان کا مقابلہ کریں، ان کو دیدہ و دانستہ چھوڑیں اور کوئی تنبیہ کرے تو اس کی جان کو آجائیں تو ہماری مثال بالکل اسی شخص کی سی ہے جو اسہال کا مریض ہو اور ہر دو گھنٹہ بعد ایک تولہ سقمونیا کھالے اور شور مچائے کہ اسہال تھمتے نہیں، اور کوئی سقمونیا کھانے کو منع کرے تو اس کو بیوقوف بتائے۔ حیرت ہے کہ ایک معمولی طبیب کسی چیز کے متعلق کہہ دے کہ یہ نقصان کرتی ہے، ایک کافر ڈاکٹر اعلان کردے کہ آج کل امرود کھانے سے ہیضہ ہو جائے گا تو اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہ ہو۔ ایک بھنگی یہ کہہ دے کہ اس گلی میں بہت بڑا سانپ ہے تو اچھے اچھے بہادروں کی جرأت نہ ہو کہ اس گلی میں چلے جائیں۔ ایک جاہل گاؤدی کہہ دے کہ اس سڑک پر ایک شیر بیٹھا ہے تو اس طرف کا راستہ چلنے کی ہمت نہ ہو۔ بڑی بہادری یہ ہوگی کہ دو چار ساتھیوں کے ساتھ دو تین بندوقیں لے کر ادھر کا رخ کیا جائے۔ لیکن اللہ جل جلالہ کا پاک اور سچا رسول، وہ شفیق اور حکیم مربی جس کو ہر وقت امت کی بہبود کی فکر ہے اور اس کا اہتمام ہے، وہ امت کو نفع دینے والی چیزوں کا حکم کرے، نقصان رساں امور سے روکے، لیکن اُمت اپنی نیازمندی اور جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود ان ارشادات کی پرواہ نہ کرے، کتنا صریح ظلم ہے۔

آج گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلان جاری ہو جائے کہ فلاں نوع کی تقریر جرم ہے، دس سال کی قید ہوگی۔ اچھے اچھے بہادر کامیاب لیڈر اور ایڈیٹر سوچ سوچ کر مضمون لکھیں گے اور تقریر میں بچا بچا کر الفاظ لائیں گے۔ لیکن ساری دنیا کا مالک بادشاہوں کا بادشاہ جس کے قبضۂ قدرت میں ساری حکومتیں اور سارے بادشاہ ہیں سختی سے ایک حکم فرماتا ہے، قرآن پاک میں سود کے لینے والے کو اپنی طرف سے اعلانِ جنگ کرتا ہے اور حدیث قدسی میں اللہ والوں کی مخالفت اور دشمنی کو اپنے ساتھ جنگ بتاتا ہے، سودی معاملات کرنے والوں پر لعنت کرتا ہے، شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو اپنی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے، کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر کچھ بھی چوٹ اس چیز کی لگتی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم پر کیا کیا مصائب ان امور کے بدلے میں آنے والے ہیں۔ ہر شخص خود ہی غور کر لے، کسی دوسرے کے بتانے کی چیز نہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو چھوڑنے کے بجائے ان میں ترقیات ہیں تو اللہ سے لڑنے کے

لئے اس کی اور اس کے رسول کی لعنت برداشت کرنے کے لئے مصیبتیں، ذلتیں، خلجتیں، آفتیں جھیلنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

کفار دنیا میں باوجود بداعمالیوں کے خوشحال کیوں ہیں

اشکال و جواب

تنبیہ: ایک اشکال اس جگہ عوام کو پیش آتا ہے بلکہ بعض خواص بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ یہ کہ یہ حسنات اور سیئات (خوبیاں اور برائیاں) جن کو اوپر ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ مسلمانوں کے لئے نافع اور نقصان رساں ہیں، ایسی ہی کافروں کے لئے بھی ہیں اور ہونا چاہئیں کہ نقصان دہ چیز بہرحال نقصان دہ ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار باوجود ان بداعمالیوں میں مبتلا ہونے کے خوشحال ہیں، دنیا میں فلاح یافتہ ہیں، ترقی یافتہ ہیں اور مسلمان بدحال ہیں، خستہ حال ہیں اور ان کی پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ اور بعض جاہل تو اس اشکال میں ایسے پھنسے ہیں کہ انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر ساری ہی شرعیات اور احادیث کا انکار کر دیا۔ انہوں نے دنیوی فلاح کفار میں دیکھ کر انہیں چیزوں کو باعث فلاح قرار دے دیا جو کفار میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اس اشکال کا منشا بھی اسلامی تعلیم سے ناواقفیت یا ذہول (مجنوں پن) ہے۔ اسلامی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی گئی جو پوری وضاحت سے ارشاد نہ فرمادی گئی ہو، مگر اس کے معلوم کرنے کی فرصت کس کو ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ سے یہی اشکال عرض کیا تھا کہ اے اللہ! تیرا ایک بندہ مسلمان ہوتا ہے، نیک اعمال بھی کرتا ہے، تُو اس سے دنیا تو ہٹا لیتا ہے اور بلائیں اس پر مسلط کر دیتا ہے اور ایک بندہ تیرا کافر ہوتا ہے، وہ تیری نافرمانی بھی کرتا ہے، تو اس سے بلائیں ہٹا لیتا ہے اور دنیا اس کو عطا فرمادیتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے وحی بھیجی کہ میرے مومن بندہ کے لئے کچھ سیئات ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے میں یہ معاملہ کرتا ہوں، تاکہ جب وہ میرے پاس پہنچے تو اس کی خوبیوں کا بدلہ دوں۔ اور کافر کے لئے بھی کچھ خوبیاں ہوتی ہیں، اس لئے یہ معاملہ اس کے

ساتھ کرتا ہوں تا کہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کی برائیوں کا بدلہ دوں۔

(مجمع الزوائد)

دوسری حدیث میں وارد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لاَ یَظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَۃً یُعْطیٰ عَلَیْھَا فِی الدُّنْیَا وَ یُثَابُ عَلَیْھَا فِی الاٰخِرَۃِ وَ اَمَّا الْکَافِرُ فَیُطْعَم بِحَسَنَاتِہٖ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا اَفْضیٰ اِلَی الاٰخِرَۃِ لَمْ تَکُنْ لَہٗ حَسَنَۃٌ یُعْطیٰ بِھَا خَیْرًا کَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ بِرِوَایَۃِ مُسْلِم وَ اَحْمَدَ عَنْ اَنَسٍ وَ رَقَمَ لَہٗ بِالصِّحۃِ وَ الْمِشْکوٰۃِ.

''حق تعالیٰ شانہ مومن کی کسی نیکی میں کمی نہیں فرماتے۔ مومن اس نیکی کے طفیل دنیا میں بھی (فلاح اور کامیابی) دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب علیحدہ دیا جائے گا اور کافر اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے دنیا میں روزی عطا کیا جاتا ہے۔ لیکن جب آخرت میں پہنچے گا (تو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو آخرت کے ثواب کی شرط ہے) کوئی بھی نیکی نہیں ہوگی جس کی وجہ سے ثواب دیا جاسکے۔''

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا وَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدِہِ الشَّرَّ اَمْسَکَ عَنْہُ ذَنْبَہ حَتّٰی یُوَافِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کَذَا فِی الْجَامِعْ بِرِوَایَۃِ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ عَزَاھُمْ اِلَی الْمُخَرِّجِیْنَ وَ رَقَمَ لَہٗ بِالصِّحۃِ.

''جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندہ پر نیکی اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں لے لیتے ہیں (کہ دنیا کا عذاب ہر حال میں آخرت کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہے) اور جب کسی پر عتاب فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کا بدلہ روک دیا جاتا ہے اور قیامت میں اس کو بدلہ دیا جائے گا۔''

اور بھی مختلف عنوانات سے یہ مضمون کثرت سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کافر کے لئے چونکہ نیکیوں کا کوئی معاوضہ آخرت میں نہیں ہے، اس لئے جو بھی کسی قسم کی خوبی بھلائی اور نیک عمل وہ دنیا میں کرتا ہے، اس کا معاوضہ اس کو دنیا ہی میں مل جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے اعمالِ حسنہ کا معاوضہ صرف دنیا ہی میں حاصل کرسکتا ہے اور اسی لئے سینکڑوں برائیوں کے ساتھ ساتھ وہ جس قدر بھی خوبیاں کرتا رہتا ہے، وہ دنیا میں فلاح و کامیابی کو پاتا رہتا ہے۔

دنیا میں مسلمانوں پر شدائد و مصائب کی مصلحت

اور مسلمان کے لئے اعمالِ حسنہ کا مستقل بدلہ تو آخرت میں ہے اور برائیوں کا اکثر و بیشتر معاوضہ دنیا میں ملتا رہتا ہے۔ اس لئے وہ جس قدر بھی کوتاہیاں معاصی اور گناہ کرتا رہتا ہے، بدحالی اور پریشانی کا شکار ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اُمَّتِیْ هٰذِهٖ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ لَیْسَ عَلَیْهَا عَذَابٌ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُهَا فِی الدُّنْیَا الْفِتَنُ وَ الزَّلَازِلُ وَ الْقَتْلُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗد مشکوٰۃ.
میری یہ امت مرحومہ ہے (کہ اللہ کی خاص رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اس پر ہے) اس کے لئے آخرت میں (دائمی) عذاب نہیں ہے۔ اس کا عذاب (اور گناہوں کا بدلہ اکثر و بیشتر دنیا میں مل جاتا ہے جو) فتنوں اور زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہے۔

یہاں پر ایک اشکال تاریخ بینوں کو پیش آتا ہے کہ بعض قومیں جب تک بددینی میں بڑھتی رہیں، ان پر کوئی آسمانی عذاب مسلط نہیں ہوا۔ لیکن جب ان کی دینی حالت کچھ درست ہوئی تو آسمانی عذاب بھی مسلط ہوگیا۔ اس کا جواب بھی ان مضامین سے معلوم ہوگیا کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ ان کی پہلی حالت کفر کے قریب تک پہنچ جانے کی وجہ سے اس سے بالاتر ہوگئی ہو کہ ان پر دنیا میں عذاب ہو اور بعد میں جب کچھ صلاح اور اصلاح شروع ہوئی تو دنیا میں عذاب ہوسکنے کے مستحق بنے۔ مرض جب جراحی حدود سے بڑھ جاتا ہے تو پھر عمل جراحی نہیں کیا جاتا۔ وہ بھی جب ہی کیا جاتا ہے جب جراحی سے نفع کی امید ہو۔

بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیبیوں سے ناراضی کے قصے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں گھر میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ تین چار چیزیں گھر کی کل کائنات ہیں کہ ایک کونہ میں چند مٹھی جو اور ایک دو چمڑے کچے (بغیر دباغت دیئے ہوئے) پڑے ہیں اور ایسے ہی ایک آدھ چیز اور بھی پڑی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں کہ نہ بدن پر چادر ہے (جو عام طور پر اوڑھنے کا معمول تھا) نہ بوریئے پر کوئی چیز بچھی ہوئی ہے، جس سے بوریئے کے نشانات بدن اطہر پر اُبھر آئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر رونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہ روؤں کہ بدن اطہر پر بوریئے کے نشانات پڑے ہوئے اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ یہ فارس و روم خدا کی پرستش بھی نہیں کرتے اور ان پر یہ وسعت ہے اور آپ کی یہ حالت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے، اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: **اَوَفِیْ شَکٍّ اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا** ''اے خطاب کے بیٹے عمر! کیا تم اب تک شک میں پڑے ہوئے ہو۔ ان قوموں کی بھلائیاں ان کو دنیا ہی میں مل گئی ہیں'' خود قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَوْ لَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ وَ لِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِئُوْنَ وَ زُخْرُفًا وَ اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ (سورۂ زخرف ع ۳)

اور اگر یہ (احتمال) نہ ہوتا کہ سارے آدمی ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے (یعنی تقریباً سب ہی کافر بن جائیں گے) تو جو لوگ کفر کرتے ہیں، ہم ضرور چاندی کی بنا دیتے ان کے گھروں کی چھتوں کو اور ان سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے کواڑوں کو بھی اور ان کے لئے تخت بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور (یہ سب چیزیں) سونے کی (بھی بنا دیتے کہ کچھ حصہ چاندی کا ہوتا اور کچھ سونے کا) اور یہ سب کچھ ساز و سامان کچھ بھی نہیں مگر دنیوی زندگی کا چند روزہ اور آخرت آپ کے رب کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے: اے اللہ! جو شخص تجھ پر ایمان لائے اور میری رسالت کا اقرار کرے، اس کو اپنی ملاقات کی محبت نصیب کر۔ تقدیر کو اس پر سہل فرما اور دنیا کم عطا کر۔ اور جو تجھ پر ایمان نہ لائے، میری رسالت کا اقرار نہ کرے، اس کو اپنی لقاء کی محبت نہ دے اور دنیا کی کثرت عطا کر۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۸۶)

ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومن گھبرا جائیں گے (اور اپنی تکالیف کے مقابلہ میں دوسرے کی اتنی راحت دیکھ کر تکلیف زیادہ محسوس کریں گے) تو میں کفار پر لوہے کی پٹیاں باندھ دیتا

(یعنی لوہے کا خول ان پر چڑھا دیتا) کہ وہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھاتے اور ان پر دنیا کو بہا دیتا۔ (درمنثور)

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک نہایت ہی ذلیل چیز ہے۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اگر اللہ جل شانہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا۔
(درّ منثور۔ براویۃ الترمذی وصحّحہٗ)

دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا تھا جس کے کان بھی ندارد (موجود نہ) تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کون شخص ہے جو اس کو ایک درم (تقریباً ۴) میں خرید لے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفت بھی کوئی لینا گوارا نہ کرے گا (کہ کسی قسم کا نفع بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل چیز ہے۔ (مشکٰوۃ براویۃ مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چونکہ اللہ جل شانہ کے یہاں دنیا کی ذرا بھی قدر و قیمت نہیں ہے اور کفار کا مطمعِ نظر صرف دنیا ہی ہے اس لئے ان کو ان کی خواہش کے موافق ان کی حسنات کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ مسلمان کے لئے اسلام لانے کے بعد آخرت کی فلاح و بہبود کا مستقل استحقاق (حق دار) ہو جاتا ہے۔ اور خواہ وہ کتنے ہی معاصی میں مبتلا ہو، کسی نہ کسی وقت اس کا معاصی کی سزا یا معافی کے بعد جنت کی نعمتوں سے متمتع (فائدہ حاصل) ہونا ضروری ہے۔ اس لئے وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں فتنوں اور مصائب میں گرفتار رہتا ہے اور نہ ہو تو خطرناک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تُو کسی کو دیکھے کہ باوجود معاصی اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے دنیا کی (نعمتیں) پا رہا ہے تو یہ استدراج ہے (یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۚ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ. (سورۂ انعام ع ۵)

پس جب وہ بھول بیٹھے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی خوب نعمت اور ثروت (مالداری) عطا کی) یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں میں جو ان کو دی گئی تھیں خوب اترا گئے (اور مستی میں ان کا کفر بڑھ گیا) تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا۔ پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔

حدیث: بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی مثال کھیتی کی سی ہے کہ ہوائیں اس کو ہمیشہ اِدھر اُدھر جھکاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مومن کو ہمیشہ تکالیف اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے کہ ہواؤں سے حرکت نہیں کرتا، حتیٰ کہ ایک دم جڑ سے اُکھاڑ دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ بخاری و مسلم) اور بھی بہت سی نصوص ہیں جن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں کفار کی فلاح کا سبب ڈھیل بھی ہے اور نیک اعمال کا کرنا بھی ہے۔ پس کفار کا جو فرد یا جماعت نیک عمل کرے گی، وہ فلاح میں ترقی کرتی رہے گی اور ان کی معمولی سیئات پر یہاں گرفت نہیں ہوگی اور مسلمان کی معمولی سیئات پر یہاں گرفت ہے۔ اس لئے جتنی بھی سیئات مسلمانوں کے افراد اور ان کی اقوام میں ہوں گی، اتنی ہی پریشانیاں، تفکرات، نکبتیں، ذلتیں بڑھیں گی۔ ان کے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ معاصی سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلائیں مومن کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں۔ اس کے نفس میں، مال میں، اولاد میں، حتیٰ کہ وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حسن صحیح)

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شانہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کی سزا کو نمٹا دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ (اس کے بُرے اعمال کی کثرت کی وجہ سے) برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے دنیا میں برائی کو روک لیتے ہیں تاکہ قیامت میں اس کو پورا فرمائیں۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ترمذی) البتہ

کفار پر دنیا میں ادبار مظالم کی کثرت سے ہوتا ہے یا فسق و فجور جب انتہا کو پہنچ جائے یا انبیاء کے ساتھ استہزاء اور مذاق میں تعدی (زیادتی) کی گئی ہو کہ ان امور کے پائے جانے پر ڈھیل نہیں ہوتی بلکہ عذاب عامہ نازل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جتنی قوموں کے ہلاکت کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں، وہ سب اس کے شاہد عدل ہیں اور جتنے واقعات تاریخ کے اوراق میں سلطنتوں کے زوال کے ہیں، وہ سب اس کی کھلی شہادت دے رہے ہیں کہ جہاں اور جس قوم میں مظالم کی کثرت ہوئی مظلوم کی حمایت کا جوش ملاء اعلیٰ (آسمان والوں) میں پیدا ہوا۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی بددعا سنتا ہوں خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے سمجھ لینا چاہئے کہ امراء، وزراء، حکام اور رؤسا غرض جو بھی اپنے ماتحتوں پر، اپنے محکوموں پر مظالم کرتے ہیں، وہ حقیقت میں ان پر ظلم نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنی بربادی اور ہلاکت کے سامان اپنے ہاتھوں سے فراہم کرتے ہیں، خواہ وہ قومی مظالم ہوں یا انفرادی ہوں، رنگ لائے بغیر ہرگز نہیں رہتے۔ اور پھر جب خدائی انتقام کے دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو روتے پھرتے ہیں۔

اس جگہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے نہ گنجائش، اور بات بھی تفصیل کی محتاج نہیں کہ سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کا زوال و ہلاکت سب اسی کی تفصیل ہے۔ اور تاریخ کے اوراق اس سے پُر ہیں۔ مجھے اس جگہ صرف اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے اسباب خالق اسباب نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں۔ ہر بات میں یہ خیال کر لینا کہ جو چیز کفار کے لئے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لئے ہے اور جو چیز ان کو ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمان کو بھی مضر نہیں ہے دین سے بے خبری ہے، کلام خدا اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقفیت ہے۔ خوب سمجھ لو کہ کفار کے لئے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے۔ اور کبھی کبھی بمصالح اس عالم میں بھی ہو جاتی ہے۔ اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں، وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا بدلہ ربّ العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے۔ مگر اسی عالم میں ملتا ہے، آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں۔ اور آخرت سے انکار کی سزا

آخرت میں ملنا بھی چاہئے۔ اسی لئے ارشاد ہے:

وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ. (سورۂ سجدہ ع۲)

"اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کو چکھو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔"

قرآن شریف میں کثرت سے اس کا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِیْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ. (سورۂ احقاف ع۲)

"اور جس روز کفار جہنم کے قریب لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں حاصل کر چکے اور اس سے نفع اٹھا چکے۔ پس آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں بے وجہ تکبر کرتے تھے اور اس لئے کہ تم فسق کیا کرتے تھے (اور جو کچھ خوبیاں تھیں بھی ان کا بدلہ مل ہی چکا ہے)۔"

آیات واحادیث دنیا کے مقصود بنانے میں

میں اجمالی طور پر چند آیات کی طرف متوجہ کرتا ہوں، ان کی تفاسیر دیکھو۔

① اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ. (سورۂ بقرہ ع۱۰)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی (کے منافع) کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا

② فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ.
(سورۂ بقرہ ع۲۵)

بعضے آدمی ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب (ہمیں جو کچھ دینا ہے) دنیا ہی میں دے دے۔ (پس ان لوگوں کو جو ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

③ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (سورۂ بقرہ ع۲۶)

کفار کے لئے دنیا کی زندگی آراستہ کردی گئی (اور اسی وجہ سے) وہ مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمان قیامت کے دن ان سے اعلیٰ درجہ (یعنی جنت)

میں ہوں گے (اور محض فراغِ معاش پر مغرور نہ ہونا چاہئے کہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب مرحمت کرتے ہیں (یہ کمال اور مقبولیت کی دلیل نہیں)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہ دنیا اس شخص کو بھی عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں اور اس کو بھی عطا کر دیتے ہیں جس کو محبوب نہیں رکھتے، لیکن دین اسی کو عطا فرماتے ہیں جس کو محبوب رکھتے ہیں۔ پس جس شخص کو دین عطا کیا جاتا ہے وہ اللہ کو محبوب ہے۔ (حاکم وصححہ واقرہ علیہ الذہبی)

۴ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا.

(سورۂ نساء ع ۱۱)

آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا سا ہے۔ اور آخرت ہی بہتر ہے اس شخص کے لئے جو متقی ہو اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

۵ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (سورۂ انعام ع ۴)

اور دنیوی زندگی تو بجز لہو ولعب کے کچھ بھی نہیں اور پیچھے آنے والا گھر بہتر چیز ہے متقیوں کے لئے۔ کیا تم (ایسی کھلی بات بھی) سمجھتے نہیں۔

۶ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا.

(سورۂ انعام ع ۸)

اور ایسے لوگوں سے بالکل علیحدہ رہیں جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

۷ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. (سورۂ انفال ع ۹)

تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ جل شانہ آخرت کو چاہتے ہیں۔

۸ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ. (سورۂ توبہ ع ۶)

کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو (سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی کے منافع تو آخرت (کے مقابلہ) میں کچھ بھی نہیں بہت تھوڑے ہیں۔

۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا

لاَ یُبْخَسُوْنَ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلاَّ النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. (سورۂ ہود ع ۲)

جو شخص (اعمالِ خیر سے) محض دنیاوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز جہنم کے کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ اعمال کئے تھے وہ آخرت میں سب بیکار ثابت ہوں گے اور بے اثر ہوں گے وہ سب عمل جو وہ کرتے تھے۔

۱۰ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَ یَقْدِرُ وَ فَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلاَّ مَتَاعٌ. (سورۂ رعد ع ۳)

(ظاہری دولت و ثروت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی فرماتا ہے۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہوتے پھرتے ہیں اور دنیا کی زندگی (اور اس کے عیش و عشرت) بجز معمولی انتفاع کے اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

۱۱ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَشْکُوْرًا کُلاًّ نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاءِ وَ هٰٓؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَ مَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا. (سورۂ بنی اسرائیل ع ۲)

جو شخص (اپنے نیک اعمال کے بدلہ میں) دنیا کی نیت رکھتا ہے، ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے اور (سب کو نہیں بلکہ) جس کو چاہیں گے عطا کریں گے، پھر آخرت میں اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے، جس میں وہ بدحال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنا چاہئے ویسی ہی کرتا ہے، بشرطیکہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی یہ سعی اور کوشش مقبول ہوگی (یعنی سعی کے مقبول ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ نیت، عمل، عقیدہ) آپ کے رب کی (دنیوی) عطا سے ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں اور ان کی بھی۔ آپ کے رب کی (دنیوی) عطا کسی سے بھی بند نہیں۔

۱۲ وَ لاَ تَمُدَّنَّ عَيْنَيْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ رِزْقُ رَبِّکَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰی. (سورۂ طٰہٰ ع ۸)

ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جن سے ہم نے کفار کی مختلف جماعتوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا (اخروی) عطیہ اس سے بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۱۳ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لاَقِيْهِ کَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ. (سورۂ قصص ع ۷)

کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک بہترین وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ اس کو ضرور پانے والا ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع دے رکھا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر لئے جائیں گے۔

۱۴ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ لاَ يُلَقّٰهَا اِلاَّ الصَّابِرُوْنَ. (سورۂ قصص)

جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کاش ہم کو بھی وہ سامان ملتا جو قارون کو ملا ہے، واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا تھا وہ کہنے لگے: ارے تمہارا ناس ہو اللہ کے گھر کا ثواب بہت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ پورا پورا انہیں لوگوں کو ملتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

۱۵ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلاَ تَغُرَّنَّکُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لاَ يَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ.
(سورۂ لقمان ع ۴، سورۂ فاطر ع ۱)

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو دنیاوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ کوئی دھوکہ باز تم کو اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈالے۔

۱۶ مَنْ کَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَ مَنْ کَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ. (سورۂ شوریٰ ع ۳)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں

یہ سب اور ان کے علاوہ قرآن پاک کی پچاسوں آیتیں اس مضمون میں مشترک ہیں کہ کفار کا منتہائے مقصد صرف دنیوی زندگی ہے۔ اسی دنیا کے منافع ان کی نگاہ میں منافع ہیں۔ وہ آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اگر بعض فرقے ان میں سے ایمان رکھتے بھی ہیں تو ایمان بالآخرت کے معتبر ہونے کی شرائط پوری نہیں کرتے۔ اس لئے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے بھی ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسی دنیا میں ملتا ہے۔ جو نیک اعمال وہ کرتے ہیں ان کا ثمرہ اسی دنیا میں پاتے ہیں۔ حبرالامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے سورۂ ہود والی آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے اعمال کا بدلہ صحت جسمانی سے اور آل اولاد اور مال میں مسرتوں سے پورا کر دیا جاتا ہے اور اس کا عموم بھی سورۂ بنی اسرائیل والی آیت مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ کے ساتھ مقید ہے۔ یہ دونوں آیتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ بنی اسرائیل والی آیت کے ساتھ مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ کسی کا کوئی جبر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بھی سورۂ ہود کی آیت کی یہی تفسیر منقول ہے کہ ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں پورا فرما دیتے ہیں اور آخرت میں پہنچنے تک کوئی بھی نیکی باقی نہیں رہتی۔ اور مومن کے لئے اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور (ایمان کی وجہ سے) اس کا ثواب آخرت میں بھی ملے گا۔ حضرت مجاہدؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ کفار کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم کرنا چاہے، اپنے اعمال کو دیکھ لے۔ اس لئے کہ وہ اپنے اعمال ہی پر پہنچنے والا ہے (یعنی جس درجہ کا عمل ہوتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے) کوئی مومن ہو یا کافر جو بھی عمل صالح کرتا ہے اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن مومن کے لئے دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ملتا ہے اور کافر کے لئے صرف دنیا ہی میں ملتا ہے۔ (درّ منثور)

حضرت محمد بن کعبؒ سے سورۂ زلزال کی آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. (پس جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا

اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ایک ذرّہ کے برابر برائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا) کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ کافر ایک ذرّہ کے بقدر بھی کوئی چیز کرتا ہے تو اس کا بدلہ دنیا میں ضرور پاتا ہے۔ اپنی جان میں، مال میں، آل میں، اولاد میں، یہاں تک کہ وہ جب دنیا سے جاتا ہے تو کوئی بھی نیکی ایسی باقی نہیں رہتی جس کا بدلہ نہ مل گیا ہو۔ اور مومن ایک ذرّہ کے بقدر بھی کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا عذاب دنیا میں (بسا اوقات) پا لیتا ہے۔ اپنی جان میں، آل میں، اولاد میں، حتیٰ کہ وہ دنیا سے (بسا اوقات) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ کوئی بھی برائی باقی نہیں رہتی۔ (درمنثور)

اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أُمَّتِيْ هٰذِهٖ مَرْحُوْمَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّمَا عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ وَ الزَّلَازِلُ وَ الْقَتْلُ وَ الْبَلَايَا كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَ رَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ. "میری اس مرحوم امت پر آخرت میں (زیادہ) عذاب نہیں ہے۔ اس پر عذاب دنیا میں فتنے ہیں، زلزلے ہیں، قتل ہونا ہے اور مصائب۔" دوسری حدیث میں ہے "میری اس مرحوم امت سے آخرت کا (مستقل) عذاب اٹھالیا گیا۔ اس پر آپس کا عذاب ہے جو ایک دوسرے کے ہاتھ سے پہنچے۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ "میری امت کا عذاب دنیا میں ہے۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ "اللہ نے اس امت کا عذاب دنیا میں کر رکھا ہے۔" (مجمع الزوائد)

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اس امت پر اس کے گناہوں کا بہت سا بدلہ دنیا میں ہے اور یہ رحمت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی باوجود گناہوں کی کثرت کے مصائب میں ابتلا نہ ہو تو زیادہ اندیشہ ناک (خطرناک) ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا معیار اور بلاؤں سے بچنے کا واحد علاج

لہٰذا اس امت کے یعنی محمدی امت کے، مرحوم امت کے مصائب اور حوادث سے بچنے اور پریشانیوں اور ذلتوں سے نبٹنے کا واحد علاج گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچنا ہے۔ اور جو اتفاقاً صادر ہو جائیں ان پر رونا ہے، استغفار کرنا ہے، توبہ کرنا ہے۔ اس کے سوا کوئی علاج نہیں، قطعاً نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان مسلمان رہ کر گناہوں کی کثرت کے ساتھ ترقی کرتا رہے۔ ہاں کافر بن کر جتنے گناہوں کے ساتھ

ترقی کرے ممکن ہے کہ کفر کی حالت میں سینکڑوں برائیوں کے ساتھ جتنی بھی معمولی بھلائیاں کرے گا دنیا میں فلاح وترقی پائے گا۔

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد صلہ رحمی کرتے تھے، عہد کو پورا کرنے کا بھی اہتمام تھا، مہمان کا اعزاز واکرام بھی بہت کرتے تھے (کیا ان امور سے ان کو کوئی نفع پہنچے گا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا وہ اسلام سے پہلے مرگئے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو تو نفع نہیں دے گا البتہ ان کی اولاد کو نافع ہوگا۔ تم لوگ نہ رُسوا ہوگے نہ ذلیل ہوگے نہ فقیر۔ (درمنثور)

اس سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ ہم بعض کافروں کو خوشحال اور دنیا میں ترقی یافتہ دیکھتے ہیں، لیکن ان کے اعمالِ حسنہ اس قابل نہیں پاتے تو حدیث بالا کی بناء پر غالبًا ان کے والدین کے اعمال حسنہ کا یہ ثمرہ ہے جس کو وہ پا رہے ہیں۔ غرض نصوص بہت کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کفار اور مسلمانوں کے اصول ترقی صحیح نہیں ہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جُدا جُدا ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے، بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلا ہوگا، اتنا ہی دنیا میں مصائب کا سامنا ہوگا۔ یہ دیکھ کر کہ اس قسم کے معاصی کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اور وہ ترقی کرتے جاتے ہیں، ان کے لئے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے، اس وجہ سے ان سے بے خطر ہو جانا اپنے کو اور زیادہ مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ وہ استدراج ہے جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ (جامع الصغیر بروایۃ انس ورقم لہٗ بالصحۃ) اس لئے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی امید رکھنا اپنے کو اس سے دور کرنا ہے۔ اور کفار کی حرص کرنا ان کے قدم بقدم چلنا علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا بھی ذریعہ ہے۔

فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہو جاتا وہ مغلوب جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر، شہرت پسندی اور مسرت کے طور پر اپنے امیر کے پاس بھیجا کرتا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخت نکیر کافر سردار کا سر کاٹ کر لانے میں

خلافتِ صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہئے جو یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں، ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے جانشین! وہ لوگ بھی یہی معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کیا فارس و روم کی سنتوں اور طریقوں کا اتباع کیا جائے گا۔ میرے پاس کبھی بھی کسی کا سر نہ لایا جائے۔ ہم لوگوں کو (اتباع کے لئے) اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کافی ہے۔ (شرح السیر اوّل) اگرچہ فقہا نے بعض نصوص کی بناء پر اس کی اجازت دی ہے، مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے موافق نہ تھی، اس لئے منع فرما دیا اور عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس و روم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ملک شام کے سفر میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت شام تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آ گیا۔ آپ اونٹ پر سے اُتر گئے، موزے نکال کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ لی۔ وہ ساتھ ساتھ تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ نے یہ ایک ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کو بڑی (ذلت کی) چیز سمجھتے ہیں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں۔ آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ! تمہارے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز (انتہائی سخت) سزا دیتا۔ ہم لوگ ذلیل تھے، حقیر

تھے۔ اللہ جل شانہ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی۔ پس اب جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ جل شانہ ہم کو ذلیل کردیں گے (مستدرک للحاکم) حقیقتاً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی بھی تو کیا اور کے دن کی۔

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین　　　وہ نہ سمجھے کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

عزت اور ذلت کا مدار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے، اس کے تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ مقاصد حسنہ میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض صرف اللہ کی رضا اس کی مرضیات پر عمل ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر عزت ہے تو یہی ہے، منفعت (فائدے کی چیز) ہے تو یہی ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں، لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ دوسروں کا پس خوردہ (بچا ہوا) کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا یہ چیز انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغائرت (مخالفت) کی نہیں ہے۔ کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم، ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی (انجان) طبیب سے علاج کرائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تورات لایا ہوں اور یہ کہہ کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور چہرۂ انور متغیر ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: تجھے موت آجائے، دیکھتا نہیں ہے کہ چہرۂ انور پر غصہ کے آثار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پڑھنے میں مشغول تھے۔ دفعتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو دیکھا تو ڈر گئے اور بار بار

کہنا شروع کیا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَ غَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیًّا. (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے۔ ہم لوگ اللہ کو رب ماننے پر راضی اور خوش ہیں نیز اسلام کو اپنا مذہب بنانے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود ہوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرو، سیدھے راستہ سے گمراہ ہوجاؤ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو میرا اتباع کرتے۔

(مشکوٰۃ بروایۃ دارمی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی بالکل ظاہر تھی کہ جب اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ارشادات پر پوری نظر اور مہارت نہ ہو، اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق اور باطل مخلوط (ملا ہوا) ہو، اپنے دین کو خراب کرنا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا ہے، ہر بات میں حق اور ناحق فوراً پہچان سکتا ہے، اس کے لئے تو مضائقہ (حرج) نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے، لیکن جس کو دینی علوم میں پوری مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنی قلتِ علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جائے اور گمراہی میں پھنس جائے۔ چونکہ تورات میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہوچکی تھی، اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضی (سخت غصہ) کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں خلط واقع ہو۔ اسی لئے ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ علم دین ہے۔ پس غور سے دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کررہے ہو۔ (مشکوٰۃ)

اسی وجہ سے مشائخ اور اکابر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سننے اور تحریر دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کی دینی حالت خراب ہو تاکہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت رہے۔

''قول کو دیکھو قائل کو نہ دیکھو'' کا مطلب

عام طور سے ایک مقولہ مشہور ہے: اُنْظُرُوْا اِلٰی مَا قَالَ وَ لَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ

قَالَ. (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں سے ہاتھ لگے لے لے۔ (جامع، مشکوٰۃ، مرقاۃ) لیکن یہ اسی وقت ہے جب سننے والے کو کھرے کھوٹے کی تمیز حاصل ہو چکی ہو۔ وہ دین کے اصول سے اور بات کے جانچنے کے قواعد سے اتنا واقف ہو چکا ہو کہ ''کیا کہا'' کو معلوم کر سکے۔ وہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے، فلاں چیز دین کے خلاف ہے، قرآن و حدیث کے خلاف ہے، فقہ اور سلف صالحین کے خلاف ہے۔ مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہو، اس وقت تک ہر قسم کی تقریر و تحریر سے تاثر پیدا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل صبح کو ایک اثر ہوتا ہے، شام کو دوسرا رنگ جم جاتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے، وہ ایک لچھے دار تقریر کر کے تمام مجمع سے ایک بات پر ہاتھ اُٹھوا لیتا ہے۔ دوسرا آتا ہے وہ اس کے خلاف پُرزور تقریر کر کے اس کے خلاف ہاتھ اُٹھوا لیتا ہے۔

الغرض مسلمان کے لئے صلاح و فلاح صرف اتباع مذہب، اسوۂ رسول اور سلف صالحین کے طریقہ میں منحصر ہے۔ یہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے، یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے۔ اسی پر عمل کر کے پہلے لوگ بام ترقی (ترقی کی انتہاء) پر پہنچے تھے، جن کے احوال و حالات آنکھوں کے سامنے ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے خلاف میں مسلمان کے لئے ہلاکت ہے، بربادی ہے، آخرت کا خسارہ ہے، دنیا کا نقصان ہے۔ تجویزیں جتنی چاہے کر لی جائیں، ریزولیوشن جتنے چاہے پاس کر لئے جائیں، اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں اور مزہ لے کر ان کو پڑھ لیا جائے، سب بے سود ہے، بے کار ہے۔ مسلمان کی ترقی و فلاح کا واحد راستہ معاصی سے پرہیز ہے اور اسلامیات کا اہتمام ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ منزلِ مقصود کی طرف ہے ہی نہیں۔

دین کے اہتمام میں اسلاف کے حالات اور غیبی مددوں کے بعض واقعات

یہاں ایک اور چیز پر بھی غور کرتے چلو۔ آج اسلام کو مسخ (تبدیل) کر دیا جائے،

اس کے سارے احکام کو مولویانہ اسلام، راہبانہ مذہب، ملانہ تنگ نظری کہہ دیا جائے، مگر جن اسلاف نے ہزاروں قلعے فتح کئے تھے، لاکھوں کروڑوں آبادیوں کو مسلمان کرکے اسلام کی حکومت وہاں قائم کی تھی، وہ اسی مولویانہ اسلام کے حامل تھے اور ملانوں سے زیادہ تنگ نظر تھے۔ وہاں دین سے ایک انچ ہٹنا بھی ہلاکت شمار کیا جاتا تھا۔ وہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر قتال کیا جاتا تھا۔ وہاں شراب کو حلال سمجھ کر پینے پر قتل کیا جاتا تھا اور حرام سمجھنے کے باوجود پینے پر کوڑے لگائے جاتے تھے۔ وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے نماز کو ایسا منافق چھوڑ سکتا ہے جس کا نفاق بالکل واضح ہو۔ یعنی عام منافقین کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نماز کو چھوڑ سکیں۔ وہاں جب کوئی اہم مشکل اور گھبراہٹ کی بات پیش آتی تھی تو فوراً نماز کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور اس وقت تک باہر نہیں آتے تھے جب تک وہ تھم نہ جاتی۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف عنوانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ پریشانی اور گھبراہٹ کے وقت نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی معمول تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کثرت سے یہی معمول نقل کیا گیا ہے۔ کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو میرے رسالہ فضائلِ نماز میں دیکھو۔ وہ لوگ نماز میں تیر کھاتے رہتے تھے اور نماز کی لذت کی وجہ سے اس کو توڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اذان سنتے ہی دکانوں کو چھوڑ کر نمازوں کو چلا جانا ان کا عام معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی سلطنت کے حکام (گورنروں) کے پاس اعلان بھیج دیا تھا کہ سب سے زیادہ مہتمم بالشان (انتہائی اہم) چیز میرے نزدیک نماز ہے۔ جو اس کی حفاظت کرسکتا ہے وہ دین کے بقیہ اجزا کی بھی حفاظت کرسکتا ہے۔ اور جو اس کو ضائع کردے گا وہ دین کے باقی امور کو زیادہ برباد کردے گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی کہ یہ پانچ چیزیں ہیں: کلمۂ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کرنا۔ (خمیس)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو فارس کی ایک لڑائی پر امیر لشکر بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی: اِتَّقِ اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتَ وَاحْکُمْ بِالْعَدْلِ وَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِمِیْقَاتِہَا وَ اَکْثِرْ ذِکْرَ اللّٰہِ. (ابن جَرِیْر) جتنا ممکن ہو تقویٰ کا اہتمام رکھنا۔ فیصلہ میں انصاف کا اہتمام رکھنا۔ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجنادین میں رومیوں سے مشہور و معروف زبردست لڑائی ہوئی ہے۔ رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو جاسوس بنا کر مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک شب و روز ان کے لشکر میں رہے اور غور سے پورے حالات کا مطالعہ کر کے آئے۔ وہ چونکہ عربی تھا، اس لئے ان میں بے تکلف رہا اور واپس جا کر ان سے جو حالت بیان کی ہے وہ یہ ہے: بِاللَّیْلِ رُہْبَانٌ وَ بِالنَّہَارِ فرسَانٌ وَ لَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِکِہِمْ قَطَعُوْہُ وَلَوْ زَنیٰ رجم لاقامۃِ الْحَقِ. (خمیس)

یہ لوگ رات میں راہب ہیں دن میں شہسوار (یعنی رات بھر خدا کے سامنے ناک رگڑتے ہیں دن بھر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں) اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو حق کی حمایت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ اگر زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں۔

یہ جو کچھ اس جاسوس نے کہا بالکل صحیح کہا۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت یہ قصہ وارد ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی۔ اونچے طبقہ کی شمار ہوتی تھیں۔ لوگوں نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کسی طرح سفارش کی جائے، مگر کسی کو جرأت اور ہمت نہ ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کے لئے تجویز کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے۔ انہوں نے سفارش فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا، جس میں ارشاد فرمایا کہ پہلی امت کے لوگ اسی بات سے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی معمولی درجہ کا آدمی کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کر لیتی (اعاذ باللہ منہ) تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ حدیث کی کتابوں میں اور بھی اس نوع کے قصے مذکور ہیں۔ یہی چیز تھی جس سے

کفار کے قلوب مسلمانوں سے مرعوب ہوتے تھے (کا رعب رہتا تھا)۔ چنانچہ اس رومی سپہ سالار نے اس جاسوس کی بات سن کر کہا: اِنْ کُنْتَ صَدَقْتَنِیْ لَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْ لِّقَائِهَا عَلٰی ظَهْرِهَا. اگر تُو نے مجھ سے ان کا حال سچ بیان کیا ہے تو زمین میں دفن ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ زمین کے اوپر ان سے مقابلہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے یہاں ایک رومی قید تھا، جو اتفاق سے موقع پا کر چھوٹ کر بھاگ گیا۔ ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے اور کہا: ''ایسے پورے حالات بیان کر کہ ان کا منظر میرے سامنے ہو جائے۔'' اس نے بھی اس قسم کے حالات بیان کئے کہ یہ لوگ رات کو راہب ہیں دن کو سوار، ذمیوں سے (یعنی وہ کافر جو ان کی رعیت ہیں) بھی بغیر قیمت کوئی چیز نہیں لیتے۔ ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔

ہرقل نے کہا: اگر یہ حالات سچے ہیں تو وہ اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے۔

انطاکیہ کی لڑائی میں یزید بن ابی سفیان نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لڑائی کے حالات کے متعلق لکھا ہے جس کا شروع یہ ہے: اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ هِرَقْلَ مَلِکَ الرُّوْمِ لَمَّا بَلَغَ مَسِیْرُنَا اِلَیْهِ اَلْقَی اللّٰهُ الرُّعْبَ فِیْ قَلْبِهٖ فَتَحَوَّلَ وَ نَزَلَ اِنْطَاکِیَه.

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ ہرقل روم کے بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس کی طرف چل دیئے تو حق تعالیٰ شانہ نے اس کے دل میں کچھ ایسا رعب ڈالا کہ وہ مقابلہ سے ہٹ گیا اور انطاکیہ پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارا خط آیا، جس سے ہرقل کے مرعوب ہونے کا حال معلوم ہوا۔ بیشک حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت بھی جبکہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے، دشمنوں کو مرعوب کرنے کے ساتھ مدد فرمائی ہے اور اپنے فرشتوں سے مدد کی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کی طرف لوگوں کو ہم بلاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ جل شانہ رعب کے ساتھ ہماری مدد کرتے ہیں۔ (خمیس)

ہرقل کی فوج بہت زیادہ تھی اور مسلمان اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے، جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب (شکست) نہیں ہو سکتے، البتہ معاصی میں مبتلا ہونے پر باوجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب ہو سکتے ہو،

اس لئے اس سے پرہیز کرتے رہنا۔ (اشاعۃ)

یہی چیز تھی جس نے اس وقت مسلمانوں کو نہ صرف آدمیوں ہی پر غالب بنا رکھا تھا بلکہ بحر و بر (خشکی و تری) شجر، حجر، چرند و پرند سب ہی چیزوں پر ان کو فتح حاصل تھی۔ تاریخیں ان واقعات سے پُر ہیں تفصیلات کے لئے بڑے دفتروں کی ضرورت ہے۔ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی (تکلیف دینے والے) جانور بکثرت تھے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا: اَیُّهَا الْحَشَرَاتُ وَ السِّبَلُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْحَلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَّجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ. ”اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔“
یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جو ان درندوں اور موذی جانوروں میں سرعت سے دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے۔ (اشاعۃ)'

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رومیوں کی لڑائی میں یا کسی دوسرے موقع پر راستہ بھول گئے۔ اتفاق سے ایک شیر سامنے آ گیا۔ انہوں نے اس شیر سے فرمایا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، مجھے یہ صورت پیش آ گئی۔ وہ شیر کتے کی طرح دُم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا۔ جہاں کہیں کوئی خطرہ کی بات پیش آتی، وہ دوڑ کر اس طرف چلا جاتا اور اس سے نبٹ کر پھر ان کے پاس آ جاتا اور اسی طرح دم ہلاتا ہوا ساتھ ہولیتا۔ حتیٰ کہ لشکر تک ان کو پہنچا کر واپس چلا گیا۔ (مشکوٰۃ)

فارس کی لڑائی میں جب مدائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دریائے دجلہ پڑتا تھا کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹا لیں کہ مسلمان ان پر کو نہ آ سکیں برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی۔ امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں۔ دو دو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے۔ امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بار بار فرماتے تھے: وَ اللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهٗ و

لَيُظْهِرَنَّ دِيْنَهُ وَلَيُهْزِمَنَّ عَدُوَّهُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي الْجَيْشِ بَغْيٌ اَوْ ذُنُوْبٌ تَغْلِبُ الْحَسَنَاتِ. خدا کی قسم اللہ جل شانہ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کرے گا اور اپنے دین کو غالب کردے گا اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو۔ اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہوجائیں۔ (اشاعۃ)

مرتدین کی لڑائی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بحرین کی طرف بھیجا۔ ایک ایسے جنگل پر گزر ہوا جہاں پانی کا نشان تک نہ تھا۔ لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اترے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دعا کی جس کے الفاظ یہ ہیں: يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اسْقِنَا. (اے حلم والے اے علم والے اے برتری والے اے بڑائی والے ہمیں پانی عطا فرما) ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً برسا اور اس زور سے کہ سب لوگوں نے خود پیا، برتنوں کو بھرلیا، سواریوں کو پلایا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد چونکہ مرتدین کی جماعت نے دارین (جگہ کا نام) میں جا کر پناہ لی تھی اور وہاں پہنچنے کے لئے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، مرتدین نے کشتیاں بھی جلادی تھیں کہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کرسکیں۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ سمندر کے کنارے پہنچے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی: يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اَجِزْنَا. اے حلیم اے علیم اے علی اے عظیم ہمیں پار کردے۔ یہ دعا کی اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل رہے تھے۔ خدا کی قسم نہ قدم بھیگا نہ موزہ بھیگا نہ گھوڑوں کے سُم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ پانی اس قدر کم ہوگیا تھا کہ گھوڑے اور اونٹوں کے صرف پاؤں بھیگتے تھے۔ کیا بعید ہے کہ جب چار ہزار کا لشکر تھا، اس میں بعض کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسوں کے موزے بھی نہ بھیگے ہوں۔ اسی قصہ کی طرف حضرت عفیف بن منذر رضی اللہ عنہ نے جو خود اس لڑائی میں شریک تھے دو شعروں میں اشارہ کیا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے: کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کردیا اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔ ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے (بنی اسرائیل کے واسطے) سمندر کو ساکن کردیا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا۔ (خمیس)

سمندر اور دریاؤں پر پیدل اور سواریوں پر گزرنے کے واقعات کثرت سے ہیں۔ مگر عزیز من (میرے پیارے) یہ قصے لطف سے پڑھنے کے نہیں ہیں، اپنی بدحالی اور بداعمالی پر رونے کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے پاک ارشادات میں ایک ایک چیز بتا دی۔ بھلائی کے راستے اور برائی کے راستے علیحدہ علیحدہ کر دیئے۔ اسلاف نے ان پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے۔ ہم نے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی قدر کی نہ ان بزرگوں کے حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کی نہ اللہ جل جلالہ کا خوف کیا نہ اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ لیکن جو آرزوئیں اور امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، وہ جو بو کر گیہوں کاٹنے کی ہیں۔ جنہوں نے گیہوں بوئے تھے انہوں نے کاٹے بھی وہی تھے۔ اسلامی تاریخ اٹھاؤ اور ایک ایک معرکہ کو غور اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ لشکروں کو روانگی کے وقت کیا کیا نصائح ہوتی تھیں اور پھر وہ حضرات اس پر کیسی پابندی کرتے تھے۔ عراق کی لڑائی میں جس کا مختصر حال میں حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم باب ہفتم کے صفحہ ٦ پر لکھ چکا ہوں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جو نصیحت فرمائی ہے اس کا ایک ایک لفظ غور کے قابل ہے۔ چند الفاظ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں۔ اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے۔ اس کی یہاں شریف رذیل (غریب و امیر) سب برابر ہیں۔ اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے، اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا، یہ میری خاص نصیحت ہے۔ اس کو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جائے گا اور نقصان اٹھاؤ گے۔ تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو۔ جس (کی ذمہ داریوں) سے خلاصی بجز اتباع حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے۔ اس لئے

اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا۔ اللہ کا خوف اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے۔ اس کی اطاعت میں اور گناہ سے احتراز میں۔ اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے فقط۔ (اشاعۃ)

آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کی روایات

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص دنیا سے محبت رکھے گا آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ پس تم لوگ ایسی چیز کو جو باقی رہنے والی ہے (یعنی آخرت کو) ترجیح دو ایسی چیز پر جو فنا ہو جانے والی ہے (یعنی دنیا پر) (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلیہ کو سمجھ لیا تھا اور مضبوط پکڑ لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے اور دنیا کے نقصان کو آخرت کے مقابلہ میں برداشت کرنے کو تیار ہو جائے تو صورۃً دنیا کا نقصان ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں ہوتا کہ جتنا مقدر ہے وہ تو پہنچ کر رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص کا ارادہ (اور اہتمام و عمل) آخرت کی طلب کا ہوتا ہے اللہ جل شانہ اس کے دل میں غنا ڈال دیتے ہیں اس کے منتشر امور (بکھرے ہوئے کاموں) کو مجتمع فرما دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتی ہے۔ اور جس شخص کی نیت دنیا طلبی کی ہوتی ہے، فقر اس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے، کاموں میں انتشار اور تشتت رہتا ہے اور مقدر سے زیادہ تو ملتا ہی نہیں۔ (مشکوٰۃ) چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اولیاء اللہ کے قصے حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں کہ دنیا کس قدر ذلیل ہو کر ان کے پاس آتی تھی اور آتی ہے اور کیوں نہ آئے جب دنیا کی ہر چیز انہیں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک مختصر جماعت کا امیر لشکر حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بنا کر میسان (ایک جگہ کا نام ہے) فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ ہاں پہنچے تو اتفاق کہ مسلمانوں کے پاس خورد و نوش (کھانے پینے) کا سامان نہیں رہا، نہ کہیں سے دستیاب ہوا۔ اہل فارس کا ایک شخص جو خود چرواہا تھا ایک بن کے کنارہ پر ملا۔ اس سے

دریافت کیا کہ کہیں دودھ اور بار برداری کے جانور مل سکیں گے؟ اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ لیکن بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی۔ کذب عدو اللہ ھا نحن۔ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہم یہاں موجود ہیں۔ اس آواز پر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن میں گئے اور ان کو پکڑ کے لائے اور لشکر پر تقسیم کیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ قادسیہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ دونوں جگہ پیش آیا ہو۔ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس قصہ کا تذکرہ آیا تو اس کو اس پر تعجب ہوا اور اس نے ایسے حضرات کو بلا کر جن کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا تھا، تصدیق کی۔ ان لوگوں نے بیل کی آواز کا خود سننا بیان کیا۔ حجاج نے کہا کہ لوگ اس واقعہ کے متعلق کیا خیال کرتے تھے؟ ان لوگوں نے کہا کہ لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات ان کے ہمرکاب ہیں۔ حجاج نے کہا: یہ تو جب ہوسکتا ہے کہ لشکر کے سارے ہی افراد متقی پرہیزگار ہوں لوگوں نے کہا: یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ لشکر کے دلوں میں کیا بات تھی۔ فَاَمَّا مَا رَاَيْنَا فَمَا رَاَيْنَا قَطُّ اَزْهَدَ فِيْ دُنْيَا مِنْهُمْ وَ لاَ اَشَدَّ بُغْضًا لَهَا لَيْسَ فِيْهِمْ جَبَانٌ وَ لاَ غَالٌّ وَ لاَ غَدَّارٌ۔ لیکن ظاہر میں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے نہیں دیکھا۔ کوئی شخص ان میں بزدل یا خیانت کرنے والا یا بدعہدی کرنے والا نہ تھا۔

اس قصہ میں جانوروں کا بولنا یا اللہ والوں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا دونوں باتیں کچھ مستبعد نہیں ہیں۔ صحیح حدیثوں میں جانوروں کا بولنا ثابت ہے۔ بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک شخص ایک گائے لئے جا رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا اور اس پر سوار ہوگیا۔ وہ گائے بولی کہ ہم اس کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، ہم کھیتی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگوں کو اس کے بولنے پر بڑا تعجب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا اور ابوبکر وعمر کا تو اس پر ایمان ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص بکریاں چرا رہے تھے۔ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری اٹھالی۔ ان صاحب نے شور وشغب (زیادہ شور) کیا تو اس بھیڑیئے نے کہا: درندوں کے دن (قیامت کے قریب) کون ان بکریوں کی حفاظت کرے گا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ بھیڑیا

کلام کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی وہی ارشاد فرمایا کہ میرا اور ابوبکر وعمر کا اس پر ایمان ہے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین) معجزات کی کتابوں میں متعدد واقعات اس نوع کے ذکر کیے گئے ہیں کہ جانوروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی۔ لوگوں کو ایمان نہ لانے پر طعن کیا۔ دیکھنا چاہو تو شفاء قاضی عیاض میں بھی چند واقعات ذکر کیے ہیں۔

اس قصہ کا دوسرا جز کہ جانوروں نے اپنے آپ کو پیش کیا بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ جب یہ جماعت اللہ کے نام پر شہید ہونے کو اس رضا اور رغبت کے ساتھ ہر وقت تیار اور مستعد تھی تو کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ جیسا تم معاملہ کرو ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

(یعنی تُو خدا کی اطاعت کر، دنیا کی ہر چیز تری اطاعت کرے گی) ان حضرات کے شوقِ شہادت کے واقعات سے تواریخ بھری ہوئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند قصے حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھ چکا ہوں۔ دل چاہے تو دیکھ لو۔

حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ کی قربانی کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی فرما رہے تھے تو پانچ چھ اونٹ اکٹھے اُمڈے ہوئے آتے تھے کہ پہلے کون قربان ہو۔ ابوداؤد شریف میں یہ قصہ مذکور ہے اور جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ معمولی حکام، بے بس حکام، جن کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے، وہ اپنے فرمانبرداروں کی ہر طرح حمایت کرتے ہیں تو اللہ جل جلالہ اپنے مطیعوں (تابعداری کرنے والوں) کی حمایت کیوں نہ کرے گا۔ اور قرآن شریف کا وعدہ ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ (سورۂ محمد ع۱) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ جل شانہ تمہاری مدد کرے گا۔ اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (سورۂ آل عمران ع۱۷) اگر اللہ جل شانہ تمہاری مدد کریں تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا اور وہ اگر مدد نہ کریں تو پھر ان کے علاوہ کون مدد کر سکتا ہے؟

طاعت پر مدد کے وعدے اور گھمنڈ پر نقصانات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اطاعتِ رسول ان

کی طبیعت بن گئی تھی۔ کامیابی ان کے ساتھ تھی۔ ہر نوع کی مدد ان کی رفیق (ساتھی) تھی۔ اور جہاں کہیں کسی قسم کی لغزش ہوئی وہاں مشقتیں، دقتیں (تکلیفیں) اٹھانا پڑیں۔ جنگِ اُحد کا قصہ مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ایک خاص جگہ پر متعین فرما کر حکم دے دیا تھا کہ ہم غالب ہوں یا مغلوب تم نے اس جگہ سے نہیں ہٹنا۔ مسلمان غالب ہوتے جا رہے تھے اور جب کافی غلبہ ہوگیا تو اس جماعت کے بہت سے افراد نے یہ سمجھ کر کہ اب تو غلبہ بالکل ہی حاصل ہوگیا ہے، بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا۔ اس جماعت کے امیر نے کہا بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم غالب بھی ہو جائیں تب بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ مگر جماعت نے غلط فہمی سے اس حکم کو یہ سمجھا کہ معمولی غلبہ مراد ہے اور اب بالکلیہ غلبہ ہو چکا ہے، اس لئے اس جگہ سے ہٹ گئے اور خالد بن ولید نے جو اس وقت کفار کے سپہ سالار تھے، اسی جگہ سے آ کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ کتب حدیث و تاریخ میں یہ قصہ مشہور ہے۔ حنین کی لڑائی میں مسلمانوں کی کثرت اور کفار کی قلت کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو کچھ غرور پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے سخت پریشانی اور دقت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا۔ قرآن پاک میں بھی اس کی طرف اللہ جل جلالہ نے متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ.

(سورۂ توبہ ع ۴) تمہاری اللہ جل شانہ نے بہت سے موقعوں میں مدد کی اور حنین کے دن بھی مدد کی جبکہ تم کو اپنی کثرت کی وجہ سے غرہ (فخر) ہوگیا تھا۔ پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی (اور کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی تم کو ہوئی) کہ تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

مرتدین کی لڑائی میں اوّل طلیحہ الکذاب سے معرکہ ہوا، جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے، کچھ مارے گئے۔ خود طلیحہ بھی بھاگ گیا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس کے بعد مسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی اور جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا اور ہزاروں آدمی اس کی جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے۔ فرماتے ہیں:
اِنَّا لَمَّا فَرَغْنَا مِنْ طُلَيْحَةَ الْكَذَّابِ وَ لَمْ تَكُنْ لَهُ شَوْكَةٌ قُلْتُ كَلِمَةً وَالْبَلَاءُ مُؤَكَّلٌ بِالْقَوْلِ وَ مَا بَنُوْ حَنِيْفَةَ مَا هِيَ اِلَّا كَمَنْ لَقِيْنَا فَلَقِيْنَا قَوْمًا لَيْسُوْا يَشْبَهُوْنَ اَحَدًا وَلَقَدْ صَبَرُوْا لَنَا مِنْ حِيْنَ طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ۔
(خمیس) جب ہم طلیحہ کذاب سے فارغ ہوگئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا۔ اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ (میں نے کہہ دیا تھا) کہ بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز! یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نبٹ چکے ہیں (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے (لڑے) تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود اقرار فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے یہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ذرا ذرا سی چیز کی نگرانی اور اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ یرموک پر جب حملہ ہو رہا تھا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق کی لڑائی میں مشغول تھے۔ یرموکی لشکر کی مدد کے واسطے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا اور تحریر فرمایا کہ عراق پر اپنا جانشین مقرر کر کے فوراً یرموک پہنچو۔ اس خط میں ان کی تعریف فرمائی تھی اور کامیابیوں پر مبارک باد دی تھی اور یہ لفظ بھی لکھا تھا: وَلَا يَدْخُلَنَّكَ عُجْبٌ فَتَخْسَرَ وَ تَخْذُلَ وَ اِيَّاكَ اَنْ تَدِلَّ بِعَمَلٍ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَهُ الْمَنُّ وَ هُوَ وَلِيُّ الْجَزَاءِ۔ (خمیس)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: تحریرات اور خطبات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ اور اس کی چند مثالیں

ان حضرات کے خطبات میں، تحریرات میں ذرا ذرا سے امور پر تنبیہ اور اہتمام ہوتا تھا اور معاصی (گناہوں) پر زبردست گرفت ہوتی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے جس قدر کارنامے مشہور و معروف ہیں، دوست دشمن، مسلمان کافر سب ہی واقف ہیں۔ خلافت صدیقی میں ایک واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کی امارت سے ان کو معزول

کرنے پر بہت مصر ہوئے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں فرمایا۔ خلافتِ فاروقی میں ایک واقعہ کی بناء پر کہ ایک شاعر کو بہت سا انعام دے دیا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی مشکیں بندھوا کر بلوایا گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب و جوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پر اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر مجھ سے جابیہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) آ کر ملیں۔ یہ سب امراء جابیہ پہنچے۔ سب سے اول یزید بن ابی سفیان سے پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر سواری سے اترے اور پتھر اٹھا اٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ کس قدر جلدی تم اپنے پرانے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو۔ ابھی دو ہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر ملنے لگی ہے جس پر یہ حالت ہوگئی ہے۔ اگر دو سو برس کی امارت کے بعد بھی تم اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمہاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا۔ انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم نے ہتھیار لگائے ہوئے یہ کپڑا اوپر پہن لیا تھا۔ (طبری)

ریشمی لباس کی فقہی بحث علیحدہ چیز ہے۔ بعض انواع اس کی جائز ہیں۔ میسان جب فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی وہاں لے جانا چاہا مگر وہ نہیں گئیں تو انہوں نے بیوی کو ایک خط لکھا جس میں وہاں کی راحتیں اور لطف اشعار میں لکھا، جن میں شراب اور اس کے خوشنما گلاسوں کے دور چلنے کا بھی ذکر شاعرانہ انداز میں کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوگئی۔ ان کو خط لکھا، جس میں بسم اللہ کے بعد اول سورۂ غافر کی پہلی آیت لکھی۔ اس کے بعد تحریر فرمایا: مجھے تمہارا فلاں شعر پہنچا۔ میں نے تمہیں معزول کر دیا۔ وہ حاضر ہوئے اور قسم کھائی کہ میں نے شراب نہیں پی، وہ محض شاعرانہ طور پر لکھ دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ یہی حسنِ ظن ہے مگر میں تمہیں کسی جگہ کا حاکم کبھی نہیں بناؤں گا۔ (معجم البلدان)

یہ سخت گیری اور تنگ نظری تھی ان حضرات اکابر کی۔ تاریخ اور کتب حدیث میں ہزاروں واقعات اس رنگ کے پاؤ گے۔ یہی دارین کی ترقیات کا واحد سبب تھا اور

جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی وہاں نقصان بھی پہنچا، جس کی نظیریں ابھی پڑھ چکے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جتنا اونچا طبقہ یا فرد تھا اتنی ہی معمولی لغزش پر اللہ جل شانہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. سورۂ عبس میں اس چیز پر تنبیہ ہے کہ ایک نابینا غریب کے مقابلہ میں دنیا دار مالدار کی رعایت کیوں ہوئی، حالانکہ وہ رعایت دین ہی کے خاطر تھی۔ اس کے بالمقابل جتنا معمولی طبقہ تھا، اتنے ہی معمولی سیئات سے درگزر اور سیئات کے بڑھ جانے پر گرفت ہوئی۔

جزیرہ سردانیہ بہت مشہور جزیرہ ہے۔ ۹۰ھ کے آس پاس فتح ہوا ہے۔ مالِ غنیمت میں خاص طور سے اس میں خیانتیں کثرت سے ہوئیں۔ جس کے جو ہاتھ لگا اڑا لیا (قبضہ کرلیا)۔ فتح کے بعد جہاز میں سوار ہوکر واپس آ رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی اَللّٰھُمَّ غَرِّقْھُمْ (اے اللہ ان کو غرق کردے) اور سب غرق ہوگئے۔ (اشاعۃ)

وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے جو اس مضمون کے شروع میں تھے اور یہ واقعات ان کی مثالیں ہیں۔ گزشتہ تواریخ کے اوراق ان سے پُر ہیں اور آج جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ بے دینی کے اسباب ہم اپنے ہاتھوں اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ گناہوں میں زور شور سے منہمک ہوتے جا رہے ہیں۔ پریشانیاں اور بدحالیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور اب تو اجتماعی صورت سے خود اسلام کو خیرباد کہنے کی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ دین کے ایک ایک جز کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اب اس کا اگر حل ہوسکتا ہے تو دین پر پختگی اور گناہوں سے احتراز ہی سے ہوسکتا ہے۔ مگر اس دقیانوسی بات کو کون کہہ سکتا ہے اور کس سے کہا جائے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَ الْمُسْتَعَانُ.

سوال نمبر۵: اغراض آج کل زیادہ کام کر رہی ہیں ہر شخص اپنی اغراض کے پیچھے چل رہا ہے

کچھ بعید نہیں کہ ایسا بھی ہو اور سب نہیں تو کچھ لوگ اپنی اغراض کے تحت میں بھی کام کرتے ہوں، لیکن یہ بھی تو اسی اسلامی تعلیم کے ترک کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ اپنی تعلیمات کو قبول کریں۔ ان کو اسوہ بنائیں تو پھر یہ ایک مفسدہ (برائی) کیا، کوئی بھی

مفسدہ باقی نہ رہے۔ یقیناً جو لوگ دنیوی اغراض کی خاطر دین کا کام کرتے ہیں وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔

حدیث: انما الاعمال بالنیات اور ریا و شہرت کی مذمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور و معروف ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰی. اعمال کا اجر و ثواب نیت ہی سے ہوتا ہے۔ اور ہر آدمی کو ویسا ہی بدلہ ملتا ہے جیسی اس کی نیت ہوتی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن روانہ فرمایا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ (اخلاص کے ساتھ) تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مخلصین کو خدائے تعالیٰ خوش رکھے، وہ لوگ ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہر تاریک فتنہ زائل ہو جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں۔ ان کو ایک مرتبہ کچھ اپنی بڑائی کا خیال آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ اس امت کی مدد ضعفا (کمزور لوگوں) ہی سے فرماتے ہیں۔ ان کی نماز کی وجہ سے، ان کی دعا کی وجہ سے، ان کے اخلاص کی وجہ سے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ تمہارے بدن اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں (کہ جو کام کیا جا رہا ہے وہ کس نیت اور کس ارادہ سے ہے) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے جو پہلے بھی قریب ہی گزر چکا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

ترجمہ: جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض دنیوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو) کچھ کمی نہیں کی جاتی اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بجز (سوائے) جہنم کے کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے جو اعمال کئے وہ آخرت میں

بے کار اور بے اثر ثابت ہوں گے۔

متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کا اہم مقصد محض دنیا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کے احوال کو پریشان کر دیتے ہیں اور اس کے فقر (محتاجی) کو آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے فکر میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کا اہم مقصد آخرت ہوتا ہے اس کو جمعیت نصیب فرماتے ہیں، اس کے دل میں استغنا عطا فرماتے ہیں اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ ایک حدیث میں خود حق تعالیٰ شانہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ اے آدم کے بچے! تُو میری عبادت کے لئے فراغت حاصل کر۔ میں تیرے سینہ کو غنا (مالداری) سے بھر دوں گا اور تیرا فقر دور کر دوں گا۔ ورنہ تیرے سینہ کو مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر دور نہ کروں گا۔ (ترغیب)

اس لئے جن لوگوں کی نیت محض دنیوی اغراض ہیں اور ساری جدوجہد کا ماحصل بھی بیکار منافع ہیں، وہ یقیناً اپنے قیمتی اوقات کی اضاعت (ضائع) کرتے ہیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت کو بلندی اور دینداری اور علو مرتبہ اور زمین پر قبضہ کی بشارت دے دو (کہ یہ چیزیں اس امت کو حاصل ہوں گی) لیکن جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے واسطے کرے گا، اس کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کسی کام میں کھڑا ہوتا ہوں، اللہ جل شانہ کی رضا کا بھی ارادہ کرتا ہوں اور یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ میرا مرتبہ بھی ظاہر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، کوئی جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ قرآن پاک کی آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّ لاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا. نازل ہوئی۔ پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک عمل (شریعت کے موافق) کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ریا اور شہرت کے واسطے عمل کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو مشہور کریں گے (یعنی اس بدنیتی کی شہرت کریں گے) اور اس کو حقیر اور ذلیل کریں گے۔ حدیث میں آیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا تم پر خوف ہے وہ شرکِ اصغر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

شرک اصغر کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: ریاکاری (دکھلاوا) قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایسے لوگوں کو ارشاد فرمائیں گے کہ جن لوگوں کے دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے، انہیں سے جاکر بدلہ اور ثواب لے لو۔ (ترغیب)

اور احادیث بھی بکثرت اس نوع کی وارد ہوئی ہیں جن سے بتواتر یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ جن اعمال حسنہ کی غرض شہرت و وجاہت (دنیا طلبی) ہوتی ہے یا کوئی مال و متاع مقصود ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی رضا ان سے مقصود نہیں ہوتی وہ سب بیکار جاتے ہیں، بلکہ بجائے خیر کے شر کو پیدا کرتے ہیں۔ ابھی جہاد کے مضمون میں بھی اس قسم کی روایت کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے، جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ جس جہاد سے مقصود شہرت یا دنیوی متاع ہوتا ہے وہ مقبول نہیں ہوتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک صحابی گزرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے بدن کی حالت (قوت) اور نشاط کو دیکھ کر فرمانے لگے: اگر (قوت و نشاط کی) یہ حالت اللہ کے راستہ (جہاد) میں ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی اعانت کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے اور اگر بوڑھے والدین کی مدد کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے۔ اگر اپنے نفس کی ضروریات پورا کرنے کے لئے اور اس کو حرام سے بچانے کے لئے نکلا ہے تو وہ بھی اللہ کا راستہ ہے۔ البتہ اگر شہرت اور تفاخر (تکبر) کے لئے نکلا ہے تو وہ شیطان کا راستہ ہے۔ (ترغیب)

اس حدیث سے اور اس جیسی احادیث سے یہ بھی واضح ہے کہ اللہ کا راستہ صرف جہاد میں یا نوافل میں یا دوسری عبادات میں منحصر نہیں بلکہ ضروری اعمال و عبادات کرنے کے بعد جو کام بھی نیک نیتی سے کیا جائے، اللہ کی رضا اس میں مقصود ہو، ادائے حقوق اس کی غرض ہو، وہ سب اللہ ہی کا راستہ ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینداری صرف عبادات میں مشغولی کا نام ہے اور دنیاداری کے کاموں میں مشغول ہونا اس کے منافی ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ معتبر علماء میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ کہ اسباب معیشت کو حاصل نہ کیا جائے یا ترک کر دیا جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کو دنیا کی غرض سے نہ کیا جائے۔ ان کو بھی اللہ ہی کی رضا کے واسطے، اس کے مقرر کئے ہوئے حقوق کے واسطے حاصل کیا جائے۔ وجاہت، تفاخر، تکبر اور لوگوں کی نگاہ میں بڑائی

حاصل کرنے کے واسطے نہ کیا جائے، مگر اس سب کے باوجود دوسری جانب بھی قابلِ لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کو صاحب غرض سمجھنا یہ بھی اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔

تجسس اور غیبت سے بچنا اور مسلمانوں کے عیب کی پردہ پوشی

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا. (سورۂ حجرات ع ۲)
"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ اس لئے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور (کسی کے عیب کا) تجسس (تلاش) بھی نہ کیا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔"

ہم لوگوں کی عام حالت یہ ہے کہ جو شخص ہماری مرضی کے موافق کام کرتا ہے، وہ مخلص ہے، متقی ہے، پرہیز گار ہے۔ لیکن جوں ہی وہ ہماری رائے کے خلاف کوئی کام کر گزرتا ہے وہ ٹوڈی ہے، انگریز پرست ہے یا ہندو پرست ہے، خود غرض ہے، نفس پرست، غدارِ قوم ہے، مکار ہے، دغاباز ہے، وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے یا کانگرس کا تنخواہ دار ہے۔ غرض یہ کہ دنیا بھر کے عیوب اس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے اصلی عیوب کو طشت از بام کیا جاتا ہے۔ اس میں فرضی عیوب پیدا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے، تب بھی اس کو فضیحت (رُسوا) کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو جن کی زبان پر اسلام ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، تم مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو۔ جو شخص مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب کو اللہ جل شانہ کھولنا چاہیں، اس کو گھر کے اندر کئے ہوئے کام پر بھی رُسوا کر دیتے ہیں۔

ایک مردِ مومن کا احترام اللہ کے نزدیک بیت اللہ سے زیادہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تُو کتنا بابرکت اور باعظمت گھر ہے، لیکن اللہ کے نزدیک مسلمان کا احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ (ترغیب) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر اظہارِ مسرت وخوشی نہ کر۔ (اگر ایسا کرے گا تو) حق تعالیٰ شانہ اس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا فرمادیں گے۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں، اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑتے اور آستینیں سوتنے والے نہ ہوں) اُلفت (محبت) کرنے والے ہوں اور دوسروں کے درمیان تعلقات پیدا کرنے والے ہوں۔ اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں، دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں اور جو لوگ بری ہوں ان کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں۔ (ترغیب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے جو تجھ میں ہے تو تُو اس کے جواب میں بھی ایسے عیب سے اس کو رسوا نہ کر جو اس میں ہے۔ تجھے اس کا اجر ملے گا اور اس کے کہنے کا وبال اس پر رہے گا۔ (ترغیب) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپس میں قطع تعلقات نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ کلام کرے۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ہر دوشنبہ (پیر کے دن) اور پنجشنبہ (جمعرات) کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اس شخص کے لئے مغفرت کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو۔ البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت (دشمنی) ہو، ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ابھی رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔

(بخاری، ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے۔ (بخاری، ترغیب) حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے۔ (ترغیب) حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں، دوستوں کے درمیان تفریق (جدائی) پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں جو ان سے بری ہیں۔ (ترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھا اور اس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبروئیں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج اس محترم شہر، محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان و مال اور آبرو حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سود کے حکم میں ہے مسلمان کی آبروریزی کرنا۔

اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آ چکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبروریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر بلکہ محض گمان اور احتمال پر اس کی آبروریزی میں ذرا بھی باک (خوف) نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک مسلمان کی آبرو اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کو بدترین سود فرمایا ہے اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سود کسی مسلمان کو دوسرے پر گالیوں کے ساتھ بڑھانا ہے۔ (جامع) یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تاکہ دوسرے کے وقار کو بڑھایا جائے۔

آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں، سیاسی ہوں یا غیر سیاسی، ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں جو دوسری جماعت

کے اکابر کو خواہ وہ علماء ہوں یا لیڈر، صرف اس لئے برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جائے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو برا بھی سمجھتا ہے اور برا کہتا بھی ہے۔ دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا۔ اپنی جماعت کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا۔ یہ کوئی نہیں سوچتا، ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: يَبْصُرُ اَحَدُكُمُ الْقَذٰى فِيْ عَيْنِ اَخِيْهِ وَ يَنْسَى الْجِذْعَ فِيْ عَيْنِهٖ. (جامع) تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں کی آبروریزی بدترین سود ہے

اس بات کو خوب غور سے سنو۔ یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت وعیدیں اس بارے میں آئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمان کی آبرو میں بغیر حق کے زبان درازی بدترین سود ہے۔ (جامع) بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سود کا کمتر درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔ (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتّر دروازے ہیں، جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے۔ (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبرو ہے یعنی اس کی آبروریزی کرنا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ جب میری امت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ (رسالہ تبلیغ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس بارہ میں اہتمام یہاں تک ہے کہ جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَقِیْلُوْا ذَوِی الْھَیْئَاتِ عَثَرَاتِھِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ. (جامع) ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا ان کی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔ یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا، چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہو جائے تو دوسری بات ہے کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگزر کیا کرو۔

بغیر ثبوت شرعی کے کسی پر الزام لگانا ہرگز جائز نہیں انتظاماً یا احتیاطاً اس سے علیحدہ رہنا امر آخر ہے

اور حدود کے بارہ میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو، اس وقت تک کسی کو محض بدگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم (تہمت) کرنا جائز نہیں۔ سورۂ نور میں قرآن کا زنا کے بارے میں صاف فیصلہ ہے کہ اگر یہ لوگ چار عینی شاہد نہ لائیں تو یہ خود (شرعی قواعد میں) جھوٹے ہیں۔ لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے مخالفت ہو اس کے متعلق جیسا چاہے گندہ سے گندہ کارٹون طبع کرالو۔ جس قدر شرمناک مضمون چاہو اس کے متعلق لکھوالو۔ زانی اور شرابی کہہ دینا تو ایک معمولی سی بات ہے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو، تہمت لگانے والوں کے اسی ۸۰ کوڑے حد قذف (تہمت) لگاؤ۔ لیکن ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت نہیں، حالانکہ کسی سچے الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں کی ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو، چہ جائیکہ خود ہی اپنی طرف سے افتراء (جھوٹ) کر لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر کوئی جھوٹی بات کہہ دیتا ہے۔ مجمع اس کو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع متفرق ہو کر اس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود ایک آدمی سے ایسا سنا ہے۔ میں اس کا نام تو جانتا نہیں، صورت پہچانتا ہوں۔ (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم)

اس لئے محض کسی جلسہ میں، کسی مجمع میں، کسی نامعروف آدمی سے کوئی بات سن کر اس کا یقین کر لینا بھی زیادتی ہے، تاوقتیکہ شرعی قواعد سے ثابت نہ ہو۔ البتہ ایسے شخص

کے متعلق احتیاط کرنا، انتظامًا اس سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کر دینا یہ امر آخر ہے۔ مگر اس پر حکم لگانا امر آخر ہے۔ اس کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کر دینا یہ انتظامًا، سیاستًا، احتیاطًا بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اس پر کسی الزام کو قائم کر دینا یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے۔ اور یہ فرضی الزامات عمومًا انفرادی اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کینہ اور حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے۔ (جامع) حالانکہ یہ لوگ جو محض بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو غور سے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ ان حالات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ (مقاصد حسنہ) ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' ایک حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیّان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہ) کے لئے موت نہیں (وہ حیّ و قیّوم ہے۔ ہر شخص کے ہر فعل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کرلو۔ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے۔ ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤ گے اسی پیالہ سے پیو گے۔ (مقاصد حسنہ) ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھر گے اور جس ترازو سے تول کر دو گے اسی ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا۔ (جامع الصغیر)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برداری (ہاتھ روکنا) کرتا ہے جس وقت اس کی اہانت کی جا رہی ہو، اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا۔ اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا جبکہ اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو اور اس کی اہانت کی جا رہی ہو تو حق

تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اس کو مدد کی ضرورت ہو۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا ایک طویل قصہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمادیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے (اور حقیقت میں جو شخص ہر امر میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا مصیبت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا) انہوں نے عرض کیا: کوئی اور بات بھی فرمادیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تلاوتِ قرآن اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے۔ انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کا سبب ہے (کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے اور چپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق زائل ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو۔ انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔ (مشکوٰۃ)

یہ اخیر کلام میرا اس جگہ مقصود ہے کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا چسکا پڑ جائے تو نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے نہ ان کو پھیلانے کی ہمت پڑے کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامن گیر رہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب الخ شعر

مرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

وصیت نامہ حضرت رائے پوریؒ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان سب کا ملاک (یعنی جس چیز سے ان پر قدرت اور عمل سہل ہو جائے) بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور بتا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ ہے (یعنی اپنی زبان کو قابو میں رکھ) (مشکوٰۃ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنی زبانوں کی وجہ سے بھی ماخوذ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آدمی کو جہنم میں ناک کے بل زبان کی لان کے سوا اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے۔ (حاکم ومشکوٰۃ)

زبان کی لان سے مراد یہ ہے کہ جیسا درانتی کھیتی کو کاٹ کر ایک جگہ جمع کرتی رہتی ہے، ایسے ہی یہ زبان کی قینچی بھی باتوں کو کتر کتر کے ایک جگہ (اعمال نامہ میں) جمع کرتی رہتی ہے۔ حق یہ ہے کہ ہم لوگ جہاں دین کے اور بہت سے امور میں لاپروائی کو کام میں لاتے ہیں، زبان کے مسئلہ سے بھی بہت بے فکر ہیں۔ حالانکہ زبان کا مسئلہ ان میں بہت ہی اہم ہے۔ مگر ہماری زبانیں ذرا بھی قابو میں نہیں ہیں۔ ہر شخص پر بے دھڑک جو دل چاہتا ہے الزام لگا دیتے ہیں۔ دل میں اس کا خیال بھی نہیں گزرتا کہ جو الزام دوسرے پر تھوپا جا رہا ہے، کسی وقت ایک بڑے حاکم کی عدالت میں اس کا بارِ ثبوت (ثبوت پیش کرنا) بھی اپنے ہی ذمہ ہے۔ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ نہایت بے باکی سے جس کو دل چاہے انگریزوں کا وظیفہ خوار اور سی آئی ڈی کہہ دیتے ہیں اور جس کو دل چاہے کانگریس کا نوکر اور مزدور بتا دیتے ہیں۔

کان، آنکھ، دل، ہر ایک کے متعلق احتیاط کا حکم

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ

الْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلاً وَ لاَ تَمْشِ فِی الاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا ذٰلِکَ مِمَّا اُوْحیٰ اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ (سورۂ بنی اسرائیل ع ۵)

"جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگ۔ بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کا ان میں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل کہ تُو (زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر) نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ سارے برے کام آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ یہ سب باتیں منجملہ اس حکمت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ پر بھیجی ہے۔" اس آیت شریفہ میں کان، آنکھ، دل ہر ایک چیز کے متعلق احتیاط کا حکم ہے۔ دل میں بھی بے تحقیق بات کو جگہ دینا ظلم ہے۔

اختلافِ رائے کی صورت میں خودغرض قرار دینا سخت ذمہ داری ہے

اس لئے ہر اس شخص کو جو اپنی رائے کے خلاف رائے رکھتا ہو، خودغرض بتا دینا یا حبِّ جاہ اور حبِّ مال (دنیا طلبی اور مال طلبی) کا مجرم و ملزم بنا دینا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس کے نزدیک دین کے لحاظ سے یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے واسطے یہی صورت مناسب اور ضروری ہو جو وہ اختیار کر رہا ہے۔ مانا کہ تمہارے نزدیک وہ خطرناک صورت ہے اور نہایت نقصان دہ، لیکن اوّل تو تمہارے پاس بھی وحی نہیں ہے کہ جو راستہ تمہارا ہے، وہی حق ہے۔ خطا اور ثواب کا احتمال ہر جانب ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہی راستہ متعین ہے، تب بھی یہ ضروری نہیں کہ دوسرے شخص نے غلط راستہ بددیانتی اور خودغرضی سے ہی اختیار کیا ہے، خطا اجہادی سے بھی ممکن ہے۔ اس لئے تم پر ضروری ہے کہ اس کو سمجھاؤ اور ان اخلاقِ اسلامی سے جو ایک مسلمان کی شایانِ شان ہیں، اس کو اپنا ہم نوا بناؤ، نہ یہ کہ جھوٹے سچے عیوب اس پر چسپاں کرو اور ہر وقت بہتان و غیبت میں مبتلا رہو اور اس کے درپے آزار رہو۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا. (سورۂ احزاب ع ۷)

"اور جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو (جس سے وہ شرعاً ستانے کے مستحق بن جائیں) ایذا دیتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔"

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں تو مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو نہ سامان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز روزے اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات لے کر پہنچے۔ لیکن کسی کو گالیاں دی تھیں، کسی پر بہتان لگایا تھا، کسی کا مال ناحق کھایا تھا، کسی کا خون کیا تھا، کسی کو مارا تھا۔ اس لئے کچھ نیکیاں اس نے لے لیں اور کچھ اس نے لے لیں اور جب نیکیاں ختم ہو گئیں اور مطالبے باقی رہ گئے تو ان مطالبوں کے بقدر صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے۔ حقیقت میں اصل مفلس یہی شخص ہے کہ نیکیوں کا کتنا بڑا انبار و متاع لے کر پہنچا لیکن ملا یہ کہ دوسروں کے بھی گناہ اپنے اوپر پڑ گئے۔

غیبت اور بہتان میں فرق

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جانتے بھی ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ و رسولہ اعلم "اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کی ایسی بات کرنا جو اس کو ناگوار ہو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر واقعی اس میں وہ عیب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر وہ عیب نہ ہو اور پھر کہا جائے تو یہ غیبت نہیں یہ بہتان ہے۔ (ترغیب)

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ کہنا محض عیب جوئی کی غرض سے ہو تب حرام اور گناہ ہے اور اگر کوئی دینی ضرورت اور مصلحت اس کے عیب کے اظہار کی مقتضی (چاہنے والی) ہو تو مضائقہ نہیں۔ لیکن کسی ایسی بات کا کہنا جو واقعہ میں اس میں موجود نہیں ہے وہ کسی حال بھی جائز نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جو شخص کسی مسلمان کو ایسی بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم کے اس حصہ میں قید کر دیں گے، جہاں اہل جہنم کا پسینہ، لہو، پیپ وغیرہ جمع ہوتا ہو۔ (ترغیب)

درحقیقت ہم لوگوں کی زبانیں قابو میں نہیں ہیں۔ جس شخص کے متعلق جو چاہے بے تکلف حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ زبان کی حفاظت بہت ہی زیادہ اہم ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس کو مضبوط پکڑ لوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کا مالک بنا رہ۔ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس چیز سے بچوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبان سے۔ (ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ آدمیوں کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے لئے قیامت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا۔ اس میں سے ان کو ہر ایک کو آوازیں دی جائیں گی کہ جلدی آ جا جلدی آ جا۔ جب وہ اس تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے، جس میں وہ مبتلا ہوگا، بڑی دقت سے دروازہ کے قریب پہنچے گا، وہ دروازہ فوراً بند کرلیا جائے گا۔ اور دوسری طرف ایک دروازہ کھل جائے گا اور وہاں سے اسی طرح بلانے کی آوازیں آئیں گی۔ اور جب وہ بڑی مشقت سے اس دروازہ کے قریب پہنچے گا تو وہ بھی بند ہو جائے گا۔ اور تیسرا دروازہ اسی طرح کھلے گا۔ یہی معاملہ اس کے ساتھ رہے گا، حتیٰ کہ وہ مایوس ہوکر اس کھلے ہوئے دروازہ کی طرف جانے کی بھی ہمت نہ کرے گا۔ (ترغیب) یہ بدلہ ہے اس کے مسلمانوں کے ساتھ مخول اور مذاق کرنے کا کہ اس کے ساتھ بھی مذاق کا معاملہ کیا جائے گا۔ جو لوگ معمولی سی مخالفت پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے کارٹون شائع کرتے ہیں، ان کی ہجو (مذمت) میں قصائد لکھتے ہیں، وہ کبھی خلوت (تنہائی) میں بیٹھ کر اپنے حشر کا بھی غور کریں مسلمان کے عقیدہ کے موافق معاملہ اس دنیا ہی میں ختم ہونے والا نہیں

انسان پر ہر وقت خفیہ پولیس اللہ کی طرف سے مسلط ہے مایلفظ من قول۔ الآیہ

ہر بات اعمالنامہ میں محفوظ ہے اور اللہ کی سچی خفیہ پولیس مسلط ہے۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ. (سورۂ ق ع۲) کوئی لفظ (آدمی) منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ایک تاک لگانے والا (فرشتہ موجود ہوتا ہے)۔ دوسری جگہ

ارشاد ہے: اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ. (سورۂ یونس ع ۳) ''بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری چالوں کو لکھ رہے ہیں۔'' کس قدر غور کا مقام ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم مسلمان کے لئے یہ تھی: اِذَا سَبَّکَ رَجُلٌ بِمَا يَعْلَمُ مِنْکَ فَلاَ تَسُبَّهُ بِمَا تَعْلَمُ مِنْهُ فَيَكُوْنُ اَجْرُ ذٰلِکَ لَکَ وَ وَبَالُهُ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْجَامِعِ. (جب کوئی شخص تجھے ایسے عیب کے ساتھ بدنام کرے جو اس کو تیرے اندر معلوم ہے تو تُو اس کو ایسے عیب سے بدنام نہ کر جو اس میں تجھے معلوم ہے۔ اس صورت میں تیرے لئے اجر ہے۔ اور اس کے لئے وبال ہے) مگر ہم لوگ عیب لگانے کے لئے، بدنام کرنے کے لئے، انتقام لینے کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے کہ اس میں وہ عیب واقعی طور پر موجود ہو بلکہ سراسر افتراء (جھوٹ) کرتے ہیں اور عیوب کو گھڑتے (بناتے) ہیں۔ یہ ہے ہمارا تعلیماتِ اسلام پر عمل۔ ایسی حالت میں ہم لوگ اپنے مخالف سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ دوسرے دیکھنے والوں کو کیا معلوم ہے کہ ہمارے یہ اعمال اسلامی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ اس کے منافی ہیں۔ کسی اجنبی دیکھنے والے کو کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ ہماری اسلامی تعلیم کیا ہے اور ہم اپنی تعلیم سے کتنی دور جا پڑے ہیں۔ اجنبی لوگ اسلام کی تصویر ہم لوگوں کو سمجھتے ہیں اور ان کو سمجھنا بھی چاہئے۔ لیکن ان کو کیا خبر ہے کہ ہم لوگ اپنی تعلیم پر عمل تو درکنار اس کو معلوم کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ ہم کو اپنے دین، اپنے مذہب، اپنی اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات اور معاملات معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں، چہ جائیکہ ان پر عمل کریں۔ ہمارا دین روٹی بن گیا، ہمارا مذہب پیسہ بن گیا، ہمارا کمال دنیا جیسی ذلیل چیز کی وجاہت (عزت) بن گئی۔ ہم اپنی عزت و وقار حاصل کرنے کے لئے یا اور کسی دنیوی فاسد غرض حاصل کرنے کے لئے کسی کی آبرریزی میں تامل نہیں کرتے، جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے، جھوٹی قسم کھا لینے میں باک نہیں کرتے۔ حالانکہ کبھی مسلمان اور جھوٹ میں تضاد کی نسبت تھی۔

حدیث: مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو (رحمت کے) فرشتے

اس کے منہ کے تعفن اور بدبو سے ایک میل کے فاصلہ پر چلے جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ) گویا اس کی عفونت اور سڑاہند اتنی دور تک پھیلتی ہے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا مومن نامرد و بزدل ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہوسکتا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا) (مشکوٰۃ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے۔ (درمنثور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عادت جھوٹ سے زیادہ ناپسند نہیں تھی۔ جب کسی کا جھوٹ بولنا معلوم ہوتا تو اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے گرانی رہتی جب تک توبہ کا علم نہ ہوجاتا۔ (درّ منثور)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین شخص کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مخموم (صاف) دل والا اور سچی زبان والا۔ ہم نے عرض کیا کہ سچی زبان تو معلوم ہے لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جو متقی ہو، صاف آدمی ہو۔ نہ اس میں گناہ ہو نہ ظلم، نہ حسد نہ کینہ۔ (ابن ماجہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو تم جھوٹا نہ پاؤ گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی جھوٹ کی (نحوست کی) وجہ سے دن کے روزے اور رات کے تہجد سے محروم ہوجاتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ (جو اکابر صوفیا میں ہیں) فرماتے ہیں کہ آدمی حلال کی کمائی اور سچ بولنے کے برابر کسی چیز سے بھی زینت نہیں پاتا۔ (درمنثور)

حدیث: نجات کا ذریعہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات (کا ذریعہ) کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ اپنے گھر میں جمے رہو (فضول گشت لگاتے نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ (مشکوٰۃ)

سوال نمبر۶ : علماء کا وقار عمداً گرایا جا رہا ہے۔ بے تکلف سب وشتم کیا جاتا ہے

صحیح ہے اور بالکل صحیح مگر شدنی امر ہے، ہونے والی چیز ہے اور کوئی نئی چیز نہیں۔ کونسا زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں علماء سے عداوت نہیں ہوئی، ان کی اہانتیں نہیں ہوئیں۔ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قید نہیں کیا گیا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سخت سے سخت نہیں مارا گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر کیا کیا نہیں گزرا۔ غرض کسی جلیل القدر عالم کو لے لیجئے، وہ نااہلوں کی اذیت وتکلیف کا شکار رہا ہوگا۔ الا ماشاء اللہ۔

جہلاء اہل علم کے دشمن ہیں اور بعض علاماتِ قیامت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو قاعدہ ہی ارشاد فرما دیا: وَ الْجَاهِلُوْنَ لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَعْدَاءٌ. (درمختار) ''جہلاء اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔'' نیز آئندہ کو اس میں اضافہ ہونا ضروری ہے۔ اور ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں اس چیز کو شمار کیا ہے اور جتنی علاماتِ قیامت حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں وہ تقریباً سب ہی پائے جا رہے ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا وہ عنقریب آ رہے ہیں کہ ان کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ یہ چیز نہ پائی جائے بلکہ جو کچھ پیش آ رہا ہے اور آتا جا رہا ہے وہ اس کے مقابلہ میں جو عنقریب آنے والا ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کو کتوں کی طرح قتل کیا جائے گا۔ کاش اس وقت علماء بتکلف باولے بن جائیں (یعنی ان روشن دماغوں کے کاموں میں دخل نہ دیں نہ ان کی اصلاح کی فکر کریں) ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ علماء کو موت سرخ (کندن) سونے سے زیادہ محبوب ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں عالم کا اتباع نہیں کیا جائے گا اور نہ حلیم آدمی سے شرم کی جائے گی۔ نہ اس میں بڑے کی تعظیم ہوگی نہ چھوٹے پر شفقت ہوگی۔ دنیا کے حاصل کرنے پر آپس کا قتل و قتال ہوگا۔ جائز کو جائز نہ سمجھیں گے، ناجائز کو ناجائز نہ سمجھیں گے۔ نیک لوگ چھپتے

پھریں گے۔ اس زمانہ کے آدمی بدترین خلائق ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں (سچا) مومن ایسا چھپتا پھرے گا جیسے کہ تم میں منافق چھپتا ہے۔ (الاشاعۃ) ایک حدیث میں ہے کہ اگر مومن گوہ کے سوراخ میں داخل ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہ وہاں بھی اس کے لئے کسی منافق یا اس شخص کو مسلط فرما دیں گے جو اس کو اذیت پہنچائے۔ (مجمع الزوائد) اس لئے اہل اللہ کی اہانت، دینداروں پر سب وشتم سب ہی کچھ ہو کر رہے گا اور جتنا کچھ ہو رہا ہے اس سے زیادہ ہوگا۔ نیز علماء یا مشائخ، دیندار یا متقیوں کا کیا ذکر ہے جب آجکل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برملا علی الاعلان گالیاں دی جاتی ہیں، ان کی اہانتیں کی جاتی ہیں۔ روافض کا تو مستقل کام ہمیشہ سے یہی ہے، لیکن اب تو روشن دماغ سنیوں کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جس صحابی کی شان میں جو چاہا کہہ مارا جو دل میں آیا لکھ ڈالا۔ نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ روکنے والا۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (جامع)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! میں ایسے زمانہ کو نہ پاؤں یا صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانہ کو نہ پاؤ جس میں عالم کا اتباع نہ کیا جائے، حلیم سے شرم نہ کی جائے۔ اس زمانہ کے لوگوں کے دل عجمی (کفار) جیسے ہوں گے اور زبانیں عرب جیسی (فصیح) (بہترین) (ترغیب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں دین پر جمنے والا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں آگ کی چنگاری پکڑنے والا۔ (الاشاعۃ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت سے یہ بھی شمار کرایا ہے کہ خاندان میں (حقیقی) مومن بکری کے بچہ سے زیادہ ذلیل اور ناقابل التفات سمجھا جائے گا۔ (الاشاعۃ)

نیز علاماتِ قیامت میں یہ بھی وارد ہے کہ فاسق لوگ خاندان کے سردار سمجھے جائیں گے اور کمینے لوگ قوم کے ذمہ دار ہوں گے اور اس وجہ سے آدمی کا اعزاز کیا جائے گا کہ اُس کے شر اور نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ (الاشاعۃ) نیز یہ بھی علاماتِ قیامت میں ہے کہ گانے والیوں کی کثرت ہو جائے گی اور باجوں کا زور ہوگا، شراب

کثرت سے پی جائے گی اور امت کے اسلاف کو برا بھلا کہا جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی دیندار اپنے دین کو سالم نہیں رکھ سکتا مگر یہ کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جا کر چھپے، جیسے کہ لومڑی اپنے بچوں کو لئے پھرتی ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں حلال روزی مشکل بن جائے گی اور بغیر اللہ کی معصیت (گناہ) کے روزی حاصل ہونا دشوار ہو جائے گا۔ (اشاعۃ)

نیز علاماتِ قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کساد بازاری ہوگی، اولادِ زنا کی کثرت ہوگی، غیبت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت کی جائے گی، منکرات (ناجائز اُمور) کرنے والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات (بڑی بڑی عمارتوں) کی کثرت ہوگی۔ (اشاعۃ) نیز فحش گوئی، بدخلقی، پڑوسیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ۔ نیز یہ بھی علامتِ قیامت میں ہے دفعی موت (کثرت سے) ہونے لگے گی (جو آجکل عام طور سے ہونے لگی جس کو قلب کی حرکت بند ہو جانا کہتے ہیں)

غرض احادیث میں قیامت کی علامات بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ علماء نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع فرمایا ہے۔ ان کا اکثر و بیشتر حصہ پایا جا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ علامت نہ پائی جائے اور جتنی کی باقی ہے وہ پوری نہ ہو جائے۔ وہ یقیناً پوری ہوگی اور ضرور ہوگی۔ علماء پر منحصر نہیں بلکہ ہر دیندار کا یہی حشر ہونے والا ہے۔ دین پر عمل کرنا جیسا کہ ابھی گزرا ہاتھ میں چنگاری لینے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کی علامات سے یہ بھی ہے کہ سچے آدمیوں کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹوں کی تصدیق کی جائے گی۔ (اشاعۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو

جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری چیزوں کے کرنے کا حکم کرو گے اور اچھے کاموں کے کرنے سے منع کرنے لگو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نیک کاموں کو برا سمجھنے لگو گے اور ناجائز چیزوں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) اخیر کے دو جملوں میں یہ فرق ہے کہ کسی برے کام کو کرنا اور چیز ہے اور اس کو اچھا سمجھنا اور چیز ہے۔

عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے بہت زیادہ سخت ہے

شریعت کی نگاہ میں کسی برے کام کو کرنا اتنا سخت نہیں ہے جتنا اس کو اچھا سمجھنا سخت ہے کہ اس میں عقیدہ کی خرابی ہے اور عقیدہ کی خرابی عمل کی خرابی سے ہمیشہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ آدمی کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرنے لگے وہ کفر نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی کسی معمولی سے معمولی چیز کے، جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا ثابت ہو چکا ہو، استخفاف (ہلکا سمجھنا) یا انکار کرنے سے اسلام ہی باقی نہیں رہتا۔ وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔ جب یہ علامت اکثر پائی جا رہی ہیں ایسے حالات میں اگر دینیات کو یا علم و علماء کو برا بھلا کہا جائے یا برا سمجھا جائے تو کیا بعید ہے اور اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم لوگ آجکل ایسے زمانہ میں ہو کہ علماء کی کثرت ہے اور قاریوں کی کمی ہے، قرآن پاک کے حدود کی رعایت بہت زیادہ ہے، حروف کی رعایت اتنی نہیں ہے۔ سوال کرنے والے کم ہیں، عطا کرنے والے کثرت سے ہیں۔ نمازیں لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور خطبے (وعظ) مختصر مختصر کہتے ہیں۔ اپنے اعمال کو اپنی خواہشات پر مقدم کرتے ہیں۔ لیکن عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں علماء کی قلت ہوگی، قراء کی کثرت ہوگی۔ قرآن کے الفاظ کا اہتمام زیادہ ہوگا، اس کے احکام کی رعایت بہت کم ہوگی۔ سوال کرنے والے بہت ہو جائیں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے۔ خطبے (اور تقریریں) لمبی لمبی ہوں گی،

نمازیں مختصر ہو جائیں گی۔ خواہشات اعمال پر مقدم ہو جائیں گی۔ (جمع) غرض یہ سب چیزیں ہوں گی اور ہوتی جا رہی ہیں۔

علماء و مشائخ کے حق میں سب وشتم ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے

اس سب کے علاوہ قانون الٰہی کا مقتضا بھی ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ، مشاہیر کے لئے سب وشتم (گالی گلوچ) بھی ایک قدیمی (پرانا) معمول ہے۔ کوئی زمانہ بھی اس سے خالی نہیں گزرا نہ گزرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح حدیث میں وارد ہے:

اِنَّ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یَرْفَعَ شَیْئًا مِّنْ اَھْلِ الدُّنْیَا اِلَّا وَضَعَہٗ کَذَا فِی الْجَامِعِ بِرِوَایَۃِ الْبُخَارِیْ وَ اَبِیْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیْ وَ اَحْمَدْ عَنْ اَنَسٍ.

اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ دنیا کی جس چیز کو بلند کرتے ہیں اس کو پست بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم پر غور کرلو، گزرے ہوئے زمانوں کو دیکھو اور زمانہ حال کو جانچو۔ جس شخص کی شہرت جس نوع (قسم) کی پاؤ گے، اسی نوع کی اس کی اہانت دیکھو گے۔ جن لوگوں کی اخبارات و اشتہارات میں تعریفیں دیکھو گے، اخبارات و اشتہارات ہی میں اہانتیں بھی پاؤ گے اور جن کی مجالس عامہ یا خاصہ میں شہرت دیکھو گے ویسی ہی مجالس میں ان پر سب وشتم بھی پاؤ گے۔ کبھی کبھی زمانی تقدم تأخر تو ملے گا مگر اس کا تخلف شاید نہ ملے۔ اس لئے یہ چیز نہ قابلِ التفات ہے نہ قابلِ خیال۔ علماء کو نہ اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے نہ ازالہ کے فکر کی۔

دیانۃ فیمابین العبد و بین اللّٰہ معاملہ کا درست ہونا کافی ہے

جس چیز کی اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دیانۃً فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَ بَیْنَ اللّٰہِ معاملہ صاف ہونا چاہئے۔ عزت و وقار کے حاصل کرنے کی غرض سے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے، بلکہ جو قدم بھی اٹھایا جائے وہ اللہ کی رضا، اس کے دین کی حفاظت، اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق کی نیت سے ہو۔ کوئی ساتھ ہو الحمد للہ، نہ ہو ان کی پاپوش سے۔ کیا انبیاء علیہم السلام نے نااہل اور ناحق لوگوں کے ہاتھ سے اذیتیں نہیں اٹھائیں؟ سب وشتم درکنار، زخم نہیں کھائے؟ قتل نہیں ہوئے؟ خود سید الانبیاء اور فخر رُسل صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا

کچھ نہیں سنا۔ ساحر، مجنون، کاہن جماعتوں میں تفریق پیدا کرنے والا، وغیرہ وغیرہ ناشائستہ الفاظ سے نہیں پکارے گئے؟ غرض کونسی ایسی چیز ہوئی جو برداشت نہیں کی گئی۔ پھر وارثین انبیاء کو اس کا کیا قلق اور گلہ ہوسکتا ہے۔ جو چیز قابل فکر، قابل اہتمام، قابل لحاظ اور قابل خیال ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے واسطے برداشت کیا جائے۔ محض اس کی رضا مقصود ہو اور اسی کے لئے یہ سب کچھ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی حاصل نہ ہو کہ یہ یقیناً خسران (نقصان) ہے۔ اور اللہ کی رضا کے بعد جس کا جو دل چاہے کہے۔ بلکہ میں تو بعض اوقات یہ خیال کیا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے کم ظرف لوگوں کے لئے تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور لطف ہے کہ یہ مالدار لوگ اس سے علیحدہ اور مجتنب (بچتے) رہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ الحمدللہ اس زمانہ میں دنیا دار فقراء سے تعلق نہیں رکھتے ورنہ ان کو دقت ہوتی۔

حضرت خواجہ ہاشم نے حضرت مجدد صاحبؒ کے مقالات میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ خواجہ حسام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلفا میں تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے اغنیاء کی شکایت کی کہ وہ فقراء سے تعلق نہیں رکھتے۔ پہلے امرا جیسا احترام بھی ان کے قلوب میں نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ برادر من! یہ اللہ کی بڑی حکمت ہے۔ اس لئے کہ پہلے زمانہ میں فقراء اس قدر یکسو تھے کہ جتنا بھی امرا اس طرف متوجہ ہوتے، وہ ان سے علیحدہ ہی رہتے۔ اس زمانہ میں ہم لوگ ایسے نہیں ہیں، بلکہ اگر یہ لوگ ہم سے تعلقات بڑھائیں، اختلاط (ملنا ملانا) پیدا کریں تو ہم لوگ اپنی فقیرانہ وضعداری کو باقی نہیں رکھ سکتے، اس لئے اللہ جل شانہ کا کرم محافظ بن رہا ہے۔ (کلمات طیبات)

البتہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ علمائے حق کے درپے آزار ہیں، ان کی اہانت و تذلیل کو فخر سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں، وہ غالباً بلکہ یقیناً علماء کی بہ نسبت اپنا نقصان زیادہ کر رہے ہیں۔ علماء کا تو زیادہ سے زیادہ یہ نقصان کریں گے کہ کچھ دنیاوی متاع میں شاید نقصان پہنچا سکیں، بشرطیکہ وہ مقدر میں کچھ کمی کر سکنے پر قادر ہوں یا دنیوی عزت و جاہ کو جو نہایت ہی بے وقعت اور ناپائیدار چیز ہے، نقصان پہنچا سکیں گے۔ مگر یہ لوگ اپنے کو برباد کر رہے ہیں اور اپنا دینی نقصان کر رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔ (ترغیب) اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے، بُرا بھلا کہنے والے اپنے کو امت محمدیہ میں شمار کرتے رہیں، لیکن صاحب امت ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ہلکا (اور ذلیل) نہیں سمجھ سکتا۔ ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوگیا ہو، دوسرے اہل علم، تیسرے منصف (انصاف کرنے والا) بادشاہ (ترغیب)

حدیث: چار صفتوں میں سے نکل کر پانچویں صفت اختیار نہ کرو ورنہ ہلاکت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ مُسْتَمِعًا اَوْ مُحِبًّا وَ لاَ تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ. (مقاصد حسنہ جامع) کہ تُو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم اور علماء) سے محبت رکھنے والا۔ پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا ورنہ ہلاک ہوجائے گا۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ بن سکے تو علماء سے محبت رکھنا، ان سے بغض نہ رکھنا۔ (مجمع) ایک حدیث میں وارد ہے:

حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ عُرَفَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِىْ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ كَذَا فِى الْجَامِعِ وَ رَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ لٰكِنْ قَالَ الْعَزِيْزِىْ مَتْنُهٗ صَحِيْحٌ.

قرآن شریف کے حاملین (یعنی حفاظ اور علماء) قیامت کے دن جنت والوں کے چودھری ہوں گے۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ فَمَنْ عَادَاهُمْ عَادَى اللّٰهَ وَ مَنْ وَّالاَهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ رَوَاهُ الدَّيْلَمِىْ وَ اِبْنُ النَّجَّارِ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ كَذَا فِى الْجَامِعْ وَ رَقَمَ لَهٗ بِالضُّعْفِ.

"حاملین قرآن اللہ کے ولی ہیں۔ جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے، وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں کرتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ علم والے شخص کو دیکھیں اور اس کو ضائع کردیں، پروانہ کریں۔ (ترغیب) امام نوویؒ شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔

فقہا (علماء) ہی اللہ کے ولی ہیں اور ان کی ایذاء پر سخت وعیدیں

اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔ جرالامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے، اس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ یَا اَخِیْ وَفَّقَنِی اللّٰہُ وَ اِیَّاکَ لِمَرْضَاتِہٖ وَ جَعَلَنَا مِمَّنْ یَّخْشَاہُ وَ یَتَّقِہٖ حَقَّ تُقَاتِہٖ اَنَّ لُحُوْمَ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَۃٌ وَ عَادَۃُ اللّٰہِ فِیْ ھَتکِ اَسْتَارِ مُنْتَقِصِیْھِمْ مَعْلُوْمَۃٌ وَ اِنَّ مَنْ اَطْلَقَ اللِّسَانَ فِی الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ بَلَاہُ اللّٰہُ قَبْلَ مَوْتِہٖ بِمَوْتِ الْقَلْبِ۔ (شرح مہذب)

میرے بھائی! ایک بات سنئے۔ حق تعالیٰ شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہئے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں (یہ بات سنئے) کہ علماء کے گوشت (یعنی غیبت) نہایت زہریلے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں) جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے، اس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

مولانا عبدالحئی صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کہ اگر مقصود آن دشنام دہندہ استخفاف علم وتحقیر علماء من حیث العلم است فقہاء حکم

بکفرش می دہند ورنہ در فاسق و فاجر بودن آنکس و مستحق غضب الٰہی و مستوجب عذاب دنیوی واخروی شدن آن شبہ نیست۔

اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ورنہ اگر کسی اور وجہ سے ہے تب اس شخص کے فاسق و فاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں اس کے بعد فقہاء کے کلام سے نیز قرآن پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید نقل فرمائی ہے۔

علماء وصلحاء کی تعظیم کے بارے میں عہد نبوی

علامہ عبدالوہاب شعرانی جو اکابر صوفیہ میں ہیں انہوں نے ایک کتاب عہود محمدیہ میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فلاں فلاں باتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لئے ہیں۔ اس میں لکھتے ہیں:

"اُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُكْرِمَ الْعُلَمَاءَ وَ نُبَجِّلَهُمْ وَ نُوَقِّرَهُمْ وَلاَ نَرٰى لَنَا قُدْرَةً عَلٰى مُكَافَاتِهِمْ وَ لَوْ اَعْطَيْنَا هُمْ جَمِيْعَ مَا نَمْلِكُ اَوْ خَدَمْنَا هُمُ الْعُمْرَ كُلَّهُ وَ هٰذَا الْعَهْدُ قَدْ اَخَلَّ بِهٖ غَالِبُ طَلَبَةِ الْعِلْمِ وَ الْمُرِيْدِيْنَ فِيْ طَرِيْقِ الصُّوْفِيَةِ حَتّٰى لاَ نَكَادُ نَرٰى اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقُوْمُ بِوَاجِبِ حَقِّ مُعَلِّمِهٖ وَ هٰذَا دَاءٌ عَظِيْمٌ فِي الدِّيْنِ مُؤَذِّنٌ بِاسْتِهَانَةِ الْعِلْمِ وَبِاَمْرِ مِّنْ اَمَرِنَا بِاِجْلاَلِ الْعُلَمَاءِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. لَوَاقِعُ الاَنْوَارِ الْقُدْسِيَه فِيْ بَيَانِ الْعُهُوْدِ الْمُحَمَّدِيَّة وَ فِيْهِ اَيْضًا.

اُخِذَ عَلَيْنَا الْعَهْدُ الْعَامُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُبَجِّلَ الْعُلَمَاءَ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ الاَكَابِرَ وَ لَوْ لَمْ يَعْلَمُوْا بِعِلْمِهِمْ وَ نَقُوْمُ بِوَاجِبِ حُقُوْقِهِمْ وَ نَكِلَ اَمْرَهُم اِلَى اللّٰهِ فَمَنْ اَخَلَّ بِوَاجِبِ حُقُوْقِهِمْ مِنَ الاِكْرَامِ وَ التَّبْجِيْلِ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ الْعُلَمَاءَ نُوَّابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَمَلَةُ شَرْعِهٖ وَ خُدَّامِهٖ فَمَنِ اسْتَهَانَ بِهِمْ تَعَدّٰى ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ ذٰلِكَ كُفْرٌ وَّ تَاَمَّلْ مَنِ اسْتَهَانَ بِغُلاَمِ السُّلْطَانِ اِذَا اَرْسَلَهٗ

اِلَیْہِ کَیْفَ یَسْمَعُ السُّلْطَانُ مِنْ رَسُوْلِہٖ فِیْہِ وَ یَسْلُبُ نِعْمَۃَ ذٰلِکَ الَّذِی اسْتَھَانَ وَ یَطْرُدُہٗ عَنْ حَضْرَتِہٖ بِخِلَافِ مَنْ بَجَّلَہٗ وَ عَظَّمَہٗ وَ قَامَ بِوَاجِبِ حَقِّہٖ یُقَرِّبُہُ السُّلْطَانُ."

ہم لوگوں سے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کا اکرام کریں، اعزاز کریں اور ان کی تعظیم کریں اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے (احسانات کا) بدلہ ادا کرسکیں چاہے، ہم وہ سب کچھ دے دیں جو ہمارے ملک میں ہے اور خواہ مدت العمر ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اس معاہدہ میں بہت سے طلبہ اور بہت سے مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاد کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہو۔ یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری ہے جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات (ﷺ) کے حکم کے ساتھ لاپرواہی کا پتہ چلتا ہے جس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم لوگوں سے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی اور صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں اور ہم لوگ ان کے حقوق واجبہ کو پورا کرتے رہیں اور ان کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کردیں۔ جو شخص ان کے حقوق واجبہ اکرام و تعظیم میں کوتاہی کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ اس لئے کہ علماء رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہیں اور ان کی شریعت کے حامل اور اس کے خادم۔ پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے اور تم غور کرلو کہ بادشاہ اگر کسی کو ایلچی بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس کی اہانت کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس غور سے سنے گا اور اپنی اس نعمت کو جو اس اہانت کرنے والے پر تھی ہٹالے گا اور اس کو اپنے دربار سے ہٹا دے گا۔ بخلاف اس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے تو بادشاہ بھی اس کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔

اس مضمون میں یہ بات کہ چاہے وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں ایسی ہی ہے جیسا کہ اس خط کے شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کلام میں مفصل گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال و دولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دین داری اور تقویٰ کے مالدار کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرما دیں گے۔ قحط سالی ہو جائے گی، بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے، حکام خیانت کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے۔ (حاکم)

آجکل ان عذابوں میں سے کونسا ہے جو امت پر مسلط نہیں لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی جس کے بچہ ہونے کا وقت قریب تھا۔ ان لوگوں کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی۔ لیکن بچہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا۔ حق تعالیٰ شانہ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس امت کی ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اس کے بیوقوف اس امت کے عالموں پر غالب ہو جائیں گے۔ (مجمع الوائد)

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ علم سے اور علماء سے بغض ونفرت سخت اندیشہ ناک (خطرناک) ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں نصاب سے نقل کیا ہے: مَنْ اَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ. جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ ظاہری سبب سے یہ مراد ہے کہ اگر کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن بلا کسی شرعی وجہ کے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے۔ ایسی صورت میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے، کیا ضروری نہیں کہ ہر شخص اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے (کرے)۔

کسی عالم کے قول کی تردید کب کی جاسکتی ہے
اور اس کے متعلق چند قابلِ غور امور

کسی عالم کے قول کو رد کرنے کا حق ضرور حاصل ہے، اس کی تردید ضرور کی

جاسکتی ہے مگر جب ہی جب اس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو۔ اس کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں اور رد کرنے والا نصوص سے استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے اور اس کے قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے یا اس کے اقوال و افعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ بے شک ہے اور ضرور ہے، لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعت مطہرہ میں حدود قائم ہیں۔ اس کے درجات ہیں۔ اس کے قواعد اور آداب ہیں۔ تاوقتیکہ ان سے واقفیت نہ ہو، رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ علماء بے عیب ہیں یا ان میں کوتاہیاں نہیں ہیں۔ یقیناً ہیں اور بمقتضائے زمانہ (زمانہ کے حالات کی وجہ سے) ہونا بھی چاہئیں۔ مگر ان کی کوتاہیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ چند امور قابل غور اور قابل لحاظ ہیں۔ اہل علم ہی ان چیزوں پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے مگر چونکہ یہاں معاملہ خود ان کی ذات کا آجاتا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں ان کو زیادہ وضح گفتگو کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور اپنے وقار کا مسئلہ آجانے کی وجہ سے وہ اس میں وضاحت اور زور سے رد کرنے میں تساہل کرتے ہیں۔ میں اجمالی طور پر تمہیں ان امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ میرا اور تمہارا خصوصی تعلق اس بدگمانی سے بالاتر ہے کہ میں اپنا اعزاز تم سے کرانا چاہتا ہوں۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ میرا کچھ زیادہ شمار بھی علماء کی جماعت میں نہیں ہے۔ ایک کتب فروش ہوں۔ کتابیں بیچتا ہوں اور ایام گزاری کرتا ہوں۔ تیسرے یہ خط بھی میرا ایک نجی خط ہے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ میرے ساتھ تمہارا بلکہ میرے سب دوستوں کا جو معاملہ ہے وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے۔ اس لئے غور سے سنو! یہاں چند امور قابلِ لحاظ (غور کرنے کے قابل) ہیں اور عام طور سے ان میں خلط کیا جاتا ہے یا عمدًا ان سے اعراض یا تسامح کیا جاتا ہے اور کہیں ناواقفیت بھی اس کا سبب ہے۔ بہرحال یہ امور قابل غور ہیں:

کیا ہر وہ شخص جو اہل علم کے لباس میں ہو، کسی عربی مدرسہ میں طلباء کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو یا تقریر دلچسپ کرتا ہو یا تحریر اچھی لکھتا ہو وہ عالم ہے اور علماء کی جماعت کا

فرد ہے۔ اس لئے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سن کر علماء کی طرف منسوب کر دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا کھرا کھوٹا، اصلی جعلی، واقعی مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے۔ دیکھو! دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم و ڈاکٹر کا پیشہ ہے۔ تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو، یا واقعی سے مصنوعی بڑھے ہوئے نہ ہوں (یعنی نقلی زیادہ ہیں اور اصلی کم) تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی اور خطرۂ جان طبیب زیادہ ہیں یا ہر سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ملتے ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں مشہور اور واقف طبیب میسّر نہیں ہوتا وہاں جان بوجھ کر ایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طبیب حاذق کے پاس فورًا پہنچنا مشکل ہے۔ مصنوعی سونا دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) خریدا جاتا ہے، کیونکہ ضرورت کو پورا کرنا ہی ہے اور اصلی سونا اس وقت ملنا دشوار ہے یا گراں (مہنگا) ہے کہ تحمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن علماء سب ہی گردن زدنی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے لباس میں جھوٹے بہت ہیں۔

تم نے غور کیا کہ یہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ ضرورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور یہ بے ضرورت ہے۔ ان کے بغیر چارہ کار نہیں ہے اور یہ بے کار مد ہے۔ ان میں اچھے سے اچھے طبیب کی تلاش ہے، لیکن اس وقت تک کہ اچھا طبیب ملے جو بھی موجود ہو وہ نہایت مغتنم (اسی کو کافی سمجھنا) ہے اور اس کی رائے پر عمل نہایت اہم اور ضروری ہے اور یہاں حقیقی علماء ملتے نہیں ہیں اور جو ملتے ہیں وہ ہمارے نزدیک کامل نہیں ہیں، اس لئے لغو و بے کار ہیں۔

دین کی ضرورت کا احساس اور علماء دین کی شان و مثال

حالانکہ اگر غور کیا جائے اور دینی ضرورت کو ضرورت سمجھا جائے، دین کا اہتمام اور اس کی فکر قلوب میں کم از کم اتنی ہو جتنی ایک عزیز کے بیمار ہونے کی یا بیٹی کے نکاح

کرنے کی تو عالم کامل کی تلاش میں طبیب حاذق کی تلاش سے زیادہ سرگرداں ہوں (اگر دین کا فکر ہو تو حقیقی ضرورت یہی ہے۔ عزیز کی بیماری کا منتہا موت ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں، حاذق سے حاذق اور ماہر سے ماہر طبیب یہاں بے بس ہے۔ وہ اپنا ہی کچھ نہیں بنا سکتا تو دوسرے کا کیا کر سکتا ہے۔ بیٹی کی شادی میں زیور نہ ہی میسّر آ سکا تو کیا بگڑ گیا۔ اتنا ہی ہوا کہ برادری کے لوگ عزیز و اقارب طعن و تشنیع (برا بھلا) کریں گے۔ وہ ابھی کب چھوڑ دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اب چار سنائیں گے اس وقت آٹھ سنا دیں گے۔ لیکن علماء کی ضرورت دین کے لئے ہے، جس کے بغیر زندگی بے کار ہے، دنیا میں آنا بیکار ہے۔ آدمی صرف دین ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے کہ میں نے آدمی اور جن صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جب یہی اصلی غرض آدمی کی پیدائش سے ہے تو اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوگی وہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسا کہ آسمان میں ستارے جن کے ذریعہ سے جنگل کے اندھیروں اور سمندروں کے سفر میں راستہ پہچانا جاتا ہے۔ اگر ستارے بے نور ہو جائیں تو اقرب ہے یہ بات کہ رہبران قوم (راستہ بتانے والے) راستہ سے بھٹک جائیں۔ (ترغیب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نبوت کے درجہ سے بہت قریب جماعت ایک علماء کی ہے دوسرے مجاہدین کی۔ اس لئے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (احیاء) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر کی بات سکھانے والے کے لئے اللہ جل شانہ رحمت بھیجتے ہیں۔ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور ہر وہ چیز جو آسمان و زمین میں ہے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی ہیں۔ (ترمذی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ (خلا و نقصان) پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی اس کا نائب ہی بھر سکتا ہے۔ (احیاء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایک ہزار (عابد) جو شب بیدار ہوں اور دن بھر روزہ

رکھتے ہوں، ان کی وفات ایک ایسے عالم کی وفات سے زیادہ سہل ہے جو حلال وحرام سے واقف ہو۔ (احیاء)

دنیا کے ہر کام میں اہل فن ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے

دوسری یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا کے ہر کام میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مکان بنانا ہے تو مستری بغیر چارہ نہیں اور قفل (تالا) درست کرانا ہے تو لوہار بغیر گزارہ نہیں۔ مقدمہ کرنا ہے آپ لاکھ سمجھدار ہوں ہوشیار ہوں لیکن وکیل بغیر مفر (گزارہ) نہیں۔ آپ لاکھ قابل ہوں لیکن تعمیر مستری ہی کرے گا۔ مگر علم دین ایسا ارزاں (آسان) ہے کہ ہر شخص جو ذرا بھی بولنا یا لکھنا جانتا ہے وہ واقف اسرار شریعت ہے، محقق ملت ہے۔ اس کی محققانہ تحقیق کے خلاف قرآن شریف اور احادیث نبویہ بھی قابلِ قبول نہیں، پھر علماء بے چاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور چونکہ اس کے مقابل اگر کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ علماء کی جانب سے ہوتی ہے، اس لئے جتنا بھی یہ روشن دماغ علماء کے خلاف زہر اُگلیں اور علماء کے خلاف جھوٹ یا سچ الزام لگا کر عوام کو ان سے بدکائیں وہ قرین قیاس ہے کہ ان کی غلط باتوں اور دین میں تحریف (تبدیلی) کی پردہ دری علماء ہی سے ہوتی ہے۔ وہ مخالف بھی بنیں گے، وہ دشمن بھی بنیں گے اور جو کچھ کر سکتے ہیں سب ہی کچھ کریں گے مگر کیا ہو سکتا ہے۔

زبان کے ماہر منافق سے خطرہ

ایسے لوگوں کے بارہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ خوف تم پر ہے ہر اس منافق کا جو زبان کا ماہر ہو۔ (ترغیب) کہ یہ لوگ اپنی شستہ تقریر و تحریر سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر گمراہ کرتے ہیں اور دین کے ہر جز کا استہزاء و مذاق کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں دین کے اجزا کے متعلق بھی ہر فن کے خواص کو ممتاز فرما دیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جابیہ میں خطبہ (وعظ) فرمایا، جس میں یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص کلام اللہ شریف کے متعلق کوئی بات معلوم کرنا چاہے وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جس شخص کو فرائض کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا

ہو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔ البتہ جس شخص کو (بیت المال سے) کچھ مال طلب کرنا ہو وہ میرے پاس آئے کہ مجھے اللہ نے والی اور مال تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔ (مجمع الزوائد)

دین کے شعبوں کی الگ الگ جماعتیں

اور پھر حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تو ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں قائم ہوگئی تھیں۔ محدثین کی جماعت علیحدہ، فقہاء کی علیحدہ، مفسرین کا گروہ مستقل، واعظین مستقل، صوفیہ مستقل۔ لیکن ہمارے زمانہ میں ہر شخص اس قدر جامع الاوصاف اور کامل مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے بلکہ صرف اردو کی عبارت دلچسپ لکھنے لگے یا تقریر برجستہ (بغیر سوچ و بچار کے) کرنے لگے تو پھر وہ تصوف میں مستقل اہل الرائے ہے، فقہ میں مستقل مجتہد ہے، قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے۔ نہ اس کا پابند کہ سلف میں سے کسی کا یہ قول ہے یا نہیں نہ اس کی پروا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے۔ وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بکے (کہتا جائے) کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس پر نکیر (اعتراض) کرسکے یا اس کی گمراہی کو واضح کرسکے۔ جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے وہ لکیر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے، تحقیقاتِ عجیبہ سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی باتیں نکالے وہ دین کا محقق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے، اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے خطا کی (مجمع الزوائد) مگر یہ لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔

اور صریح ظلم یہ ہے کہ علماء کو ہر شخص مشورہ دیتا ہے کہ وہ تفریق نہ کریں تفسیق (فاسق) نہ کریں، تکفیر نہ کریں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نہ نکلیں۔ یہ نبوت کا انکار کردیں، یہ قرآن وحدیث کا انکار کردیں، یہ نماز روزہ کو لغو (بے کار) بتادیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں

دیں، ائمہ مجتہدین کو گمراہ بتادیں، فقہ اور حدیث کو نا قابلِ عمل بتادیں، دین کے ہر ہر جز سے انکار کریں، دین کی ہر بات کا استہزاء اور مذاق اڑائیں، لیکن یہ پھر بھی مسلمان رہتے ہیں، پکے دیندار رہتے ہیں۔ اور جو ان کے خلاف آواز اٹھائے وہ دین کا دشمن ہے، مسلمانوں کا بدخواہ ہے، وہ کافر بنانے والا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو علماء کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کردے وہ اپنی رضا و رغبت اور اپنی روشن خیالی یا اپنے جہل سے کافر تو خود ہی بن چکا ہے، خواہ اس کو کوئی کافر بتائے یا نہ بتائے۔ اور اگر وہ اب تک کافر نہیں بنا تو کسی کے کافر بتانے سے کافر نہیں بنتا اور اگر بن چکا ہے تو کسی کے کافر نہ بتانے سے مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو کافر بتانے والے کا تو احسان ہے کہ وہ اس پر تنبیہ کر رہا ہے، متنبہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے وہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے اور کفر میں داخل کر دینے والی ہے۔ اگر دین کی فکر ہے تو اس تنبیہ پر متنبہ ہونا چاہئے۔ کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں تو خود تحقیق کر لینا چاہئے کہ کہنے والے کا قول صحیح ہے یا غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ غلط ہوگا اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض اوقات غلط بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر یا دین سے ناواقفیت کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گزرے اور کر گزرے، اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے، دنیا کے ساتھ خیر خواہی نہیں۔ یہ ناواقفوں کو اور ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے اس آفت میں مبتلا ہو جانے والے ہیں، کافر بنانا ہے۔ اس لئے حقیقت میں کافر بنانے والے وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ کفر کی باتوں پر تنبیہ نہ کی جائے۔ ان کو واضح اور ظاہر نہ کیا جائے۔ لوگوں کا یہ خیال کہ کفر آج کل ایسا سستا ہوگیا ہے کہ ہر شخص کافر ہے اور اس خیال سے کفریات سے متاثر نہ ہونا یہ خود دین سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے، فقہائے امت کے اقوال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

آنے والے فتنے اور کفر کی ارزانی کا اعتراض

بلاتردد آج کل جہالت کی وجہ سے کفر بہت سستا ہے۔ کفریات کا علم لوگوں کو ہے

نہیں، اس لئے ان میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود ہی صاف طور سے اس پر دال ہیں کہ کفر بہت سستا ہوجائے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو، مبادا (وہ وقت آجائے جس میں) ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں (کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہوجائے) ان میں صبح کو آدمی مسلمان ہوگا شام کو کافر ہوگا۔ شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کردے گا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک فتنہ ایسا آنے والا ہے کہ ہر طرف سے جہنم کی طرف لے جانے والے بلا رہے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ عنقریب ایسے فتنے آنے والے ہیں کہ ان میں آدمی صبح کو مومن ہوگا شام کو کافر، مگر وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ علم کی بدولت زندہ رکھے۔ (دارمی) علم کی بدولت زندہ رکھنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ وہ کفر و ایمان کی حدود سے واقف ہو۔ وہ اس چیز کو جانتا ہو کہ کس چیز سے آدمی مسلمان بنتا ہے اور کس بات سے کافر ہوجاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسے سخت (پریشان کن) فتنے ہوں گے جیسا اندھیری رات کے ٹکڑے۔ صبح کو آدمی ان میں مسلمان ہوگا شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ ان میں بیٹھنے والا آدمی کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس وقت اپنے گھروں کی ٹاٹ بن جانا (یعنی ٹاٹ کی طرح گھر کے ایک کونے میں پڑے رہنا) (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک ایسا سیاہ فتنہ آنے والا ہے جس کے اثر سے اس امت کا کوئی بھی آدمی نہ بچے گا۔ جب یہ سمجھا جائے گا کہ اب ختم ہوگیا، پھر کوئی اور شاخ نکل آئے گی۔ صبح کو آدمی اس میں مسلمان ہوگا شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر۔ حتیٰ کہ دو جماعتیں ایسی بن جائیں گی کہ ایک جماعت خالص مسلمانوں کی، جن میں ذرا بھی نفاق نہ ہوگا، ایک خالص منافقوں کی، جن میں ذرا بھی ایمان نہ ہوگا۔ اس وقت دجال کا ظہور ہوگا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہو رہی

ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔ (درمنثور بروایۃ الحاکم وصححہ عن ابی ہریرۃ بروایۃ ابن مردویۃ عن جابراھ قلت صححہ الحاکم واقرہ علیہ الذہبی، دارمی، مجمع الزوائد)

آخر یہ کفر کی ارزانی (سستا ہونا) مولویوں کی پیدا کی ہوئی تو نہیں ہے۔ یہ تو صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی ارشاد فرما گئے۔ ایسی صورت وحالات میں کیا یہ ضروری نہیں کہ دین کے باب میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے، فلاں جماعت فلاں کو کافر کہتی ہے، اس لئے اب کسی کا بھی اعتبار نہیں، ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی، بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جن وجوہ سے ایک جماعت دوسری جماعت کو کافر کہتی ہے، ان وجوہ کو علمِ دین سے تحقیق کیا جائے کہ ان امور سے واقع میں کفر ہوجاتا ہے یا نہیں۔ اگر واقع میں کفر ہوجاتا ہے تو ان سے اپنے کو اور دوسروں کو بچانا خود اپنی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ صرف کوئی مزاحیہ فقرہ کہہ دینے سے یا اس بات کے کہہ دینے سے کہ آجکل کفر بہت سستا ہے، خلاصی نہیں ہوتی۔ جس امر کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا کوئی حتمی فیصلہ نافذ ہوچکا ہے، اس کے انکار کرنے سے یا اس کا مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے سے دین جیسا باقی رہ سکتا ہے، کلام اللہ شریف اس کا فیصلہ خود ہی کرچکا ہے اور ایک جگہ نہیں جگہ جگہ وارد ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (سورۂ نساء ع ۹)

پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے) تصفیہ (فیصلہ) کرائیں، پھر اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں۔ (بیان القرآن)

• نبی اکرم ﷺ کا متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی دلی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جو میں

لے کر آیا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ. (سورۂ آلِ عمران ع ۴)

آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے (بزعم خود) محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو (کیونکہ میں خاص اسی تعلیم کے لئے مبعوث ہوا ہوں جب ایسا کرو گے تو) حق تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔ اور آپ یہ (بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ (آپ کی اطاعت سے کہ ادنیٰ اس کا اعتقاد رسالت ہے) اعراض کریں تو (وہ لوگ سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے۔ (ماخوذ بیان القرآن)

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَ كُمْ مُتَّكِئًا عَلٰی اَرِيْكَةٍ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِیْ وَ اِبْنُ مَاجَةَ وَ اِبْنُ حَبَّانَ وَ الْحَاكِمُ كَذَا فِی الدُّرِ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پاؤں کہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم پہنچے جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو یا نہ کرنے کا اور وہ یہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے ہم تو جو قرآن شریف میں ہوگا اسی پر عمل کریں گے۔

اس قسم کا مضمون کئی احادیث میں آیا ہے جس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عمل کے لئے صرف قرآن شریف کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھ کو قرآن شریف دیا گیا ہے اور اس جیسے دوسرے احکام بھی دیئے گئے ہیں۔ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ایک شکم سیر (پیٹ بھرا) آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ بس عمل کے لئے اس قرآن شریف کو پکڑ لو۔ جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔ حالانکہ اللہ کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ہے۔ (مشکوٰۃ) ان حدیثوں میں شکم

سیر اور مسند پر بیٹھنے کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ایسے لغو اقوال پیسہ ہی سے نظر آتے ہیں۔ چار پیسے پاس ہوں تو دین میں اصلاح کی تجویزیں خوب سمجھ میں آتی ہیں اور غربت میں ایسی باتیں دل میں بھی نہیں آتیں۔ اللہ کا خوف غالب رہتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ہم حضر کی نماز (اپنے مقام پر جو نماز پڑھی جائے) اور خوف کی نماز تو قرآن شریف میں پاتے ہیں لیکن سفر کی نماز قرآن شریف میں نہیں پاتے۔ انہوں نے فرمایا: بھتیجے! اللہ جل شانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے، اس لئے جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہی کرتے رہیں گے۔ (شفا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگ تم سے قرآن شریف کی آیتوں سے جھگڑا کریں گے تو احادیث سے ان کا جواب دینا کہ احادیث والے کتاب اللہ سے زیادہ واقف ہیں۔ (شفا)

امام زہریؒ جو اکابر علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سے پہلے علماء (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے سنا ہے کہ سنت (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ) کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے اور علم بہت جلد اُٹھ جانے والا ہے۔ علم کی قوت میں دین اور دنیا کا ثبات ہے اور علم کے جاتے رہنے میں اس سب کی اضاعت (ضائع ہونا) ہے۔ عبداللہ دیلمیؒ جو بڑے تابعی ہیں اور بعض نے ان کو صحابی بھی بتایا ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے اکابر سے یہ بات پہنچی ہے کہ دین کے جانے کی ابتداء سنت کے چھوٹنے سے ہوگی۔ ایک ایک سنت اس طرح چھوڑی جائے گی جیسا کہ رسّی کا ایک ایک بل اتارا جاتا ہے۔ (دارمی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ حدیث قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں، تُو اس کا قرآن سے مقابلہ کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطلب کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔ (دارمی) یعنی یہ کہ قرآن شریف کے مضامین بسا اوقات مجمل ہوتے ہیں، حدیث اس کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس لئے کسی حدیث کو قرآن شریف کے خلاف کہہ دینے میں جلدی نہ کرنا چاہئے۔ بہت غور کرنا چاہئے اور غور کے بعد اگر مخالف ہو تو پھر یہ بھی تحقیق ضروری ہے کہ قرآن شریف کی وہ

آیت منسوخ تو نہیں ہے۔ حدیث کے درجہ میں کمی ثبوت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ایسی ہی سخت ہے جیسی اللہ جل جلالہ کی نافرمانی ہے۔
حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (سورۂ نساء ع ۲)
اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا (یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے) اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے اس طرح کہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔ (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے:
يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا. (سورۂ نساء ع ٦)
اس دن (یعنی قیامت کے دن) وہ لوگ جنہوں نے (دنیا میں) کفر کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی اس بات کی تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم زمین کے پیوند ہو جائیں (یعنی زمین میں دھنس جائیں) (کہ اس رسوائی اور مصیبت سے بچ سکیں) اور کسی بات کا بھی (جو جو دنیا میں کیا ہے) اللہ سے اخفا نہ کرسکیں گے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۂ نساء ع ۹) اور ہم نے تمام رسولوں کو اسی واسطے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے (جو رسولوں کی اطاعت کے بارہ میں وارد ہوا ہے) ان کی فرمانبرداری کی جائے۔ ایک جگہ وارد ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا. (سورۂ نساء ع ۱۱)
جس شخص نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی (وہ اس کو خود بھگتے گا آپ رنج نہ کریں) ہم نے آپ کو ان کا نگران مقرر کر کے نہیں بھیجا (آپ کا کام سمجھا دینے کا ہے)۔

عمل کے لئے صرف قرآن کافی نہیں اصل دین اتباعِ رسول ہے

اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ وہی دین ہے، وہی شریعت ہے، وہی اللہ جل شانہ کی

فرمانبرداری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس اتباع سے ذرا سا دور ہونا بھی سخت مشکل اور شاق تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کی ابتداء میں جبکہ ہر طرف سے ارتداد (اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرنے) کا زور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور دین پر مر مٹنے والے شخص نے بھی استدعا کی کہ تھوڑی سی نرمی فرما دیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا اور فرمایا: اَ جَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَ خَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ کیا زمانہ جاہلیت میں متشدد (سخت) اور زمانہ اسلام میں نامرد (کمزور) بزدل۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن تھا کہ ہمیشہ کی ضرب المثل شجاعت اور بہادری کے بعد یہ بزدلانہ مشورہ۔ اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم جو شخص ایک بکری کا بچہ زکوٰۃ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتا تھا اور اب نہ دے گا، اس سے بھی قتال کروں گا۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر ایک رسّی بھی زکوٰۃ کی اس وقت دیتا تھا اور اب نہ دے گا تو اس سے قتال کروں گا۔ یہ تھی دین پر پختگی اور دین کا تحفظ۔ ورنہ ایسے سخت وقت میں جبکہ ارتداد کا اتنا زور ہو ایک فرض سے تسامح (درگزر کرنا) معمولی سی بات تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین پر پختگی کا حال اور ترکِ صلوٰۃ پر کفر کے فتوے

مگر ان حضرات کے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ذرا سا ہٹنا بھی یقینی طور سے اپنی ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنے گھروں میں مسجدیں بنالی ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنے لگو گے اور مسجدوں کو چھوڑ دو گے تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز دو۲ رکعتیں ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرے وہ کافر ہے۔ (شفا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم وتابعین سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے دیدہ ودانستہ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علماء نے تو حقیقت میں تکفیر میں تنگی کی ہے اور بہت احتیاط برتی ہے کہ انہوں نے دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے ان سب حضرات کے اقوال کو انکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کردے وہ کافر ہے۔

اور یہ بھی درحقیقت اللہ کا احسان ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بارے میں اختلاف ہوگیا تھا ورنہ اگر خدانخواستہ ان کا یہ اجماعی مسئلہ بن جاتا کہ جو شخص جان بُوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ کافر ہے تو آج تم ہی غور کرو کہ دنیا کا کتنا بڑا حصہ ہے جو دیدہ ودانستہ نماز نہیں پڑھتا، وہ آج کفر کے گڑھے میں پڑا ہوا ہوتا۔ بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ یہ مولویوں کا کام ہے کہ وہ ساری دنیا کو کافر بنا دیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کلمہ گویوں کو قتل کیا جو ایک رکنِ شریعت زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے۔

حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ ٹھنڈے ملک کے رہنے والے ہیں اور مشقت کے کام بھی بہت کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے گیہوں کی شراب بنا لیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے کام کی مشقت میں قوت بھی حاصل ہوجاتی ہے اور سردی سے بھی حفاظت رہتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ شراب نشہ آور ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا: بے شک نشہ آور تو ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس سے احتراز کرو (بچو، یعنی چھوڑ دو) میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کو چھوڑیں گے نہیں (کیونکہ عادی بھی ہیں اور ضرورت بھی ہوتی ہے) ارشاد فرمایا کہ اگر وہ نہ چھوڑیں تو ان سے قتال کرو۔ (ابوداؤد)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ امانت کا ذکر فرمایا کہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تک نوبت آجائے گی کہ یوں کہا جائے فلاں قوم میں ہے ایک شخص جو امانتدار ہے۔ آدمی کی تعریف یہ رہ جائے گی کہ فلاں شخص بڑا سمجھ دار ہے، بڑا ظریف اور خوش مزاج ہے، کیسا بہادر آدمی ہے، لیکن رائی کے دانہ کے برابر بھی اس میں ایمان نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور منجملہ ان کے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گمراہیوں کی طرف بلانے والے ہوں گے (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ ماننے والے کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے درخواست کی کہ اس قصہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں قصہ پہنچا اور پورا واقعہ معلوم ہوا۔ مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار نکال کر اس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے یہاں مرافعہ لے کر گیا تھا اور فرمایا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو قبول نہ کرے اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔ (در)

لیکن آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے ساتھ کیا سُلوک ہو رہا ہے۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ارشادات کے خلاف طبع آزمائی (زور آزمائی) ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زوردار احکام کی کس بے دردی سے مخالفت کی جا رہی ہے۔ ایک دو ہو تو کوئی گنوا دے۔ داڑھی اور استنجے کا ذکر نہیں۔ شراب اور سود کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا کیا حشر ہے۔ روزہ اور حج کے ساتھ کیا برتاؤ ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جن صاحب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا وہ کلمہ گو بھی تھے اور اہل قبلہ بھی تھے۔ مگر آج کسی کلمہ گو کے خلاف کوئی بات قابلِ سماعت نہیں ہے۔ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور جو چاہے کرے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (سورۂ بقر ع ۲۲)

بر (یعنی نیکی اور کمال) یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف،

بلکہ نیک وہ شخص ہے جو ایمان لائے اللہ پر (یعنی اس کی ذات وصفات پر) اور ایمان لائے آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی (تمام) کتابوں پر اور انبیاء پر اور مال دیتا ہو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور خرچ کرے گردنوں کے چھڑانے میں (یعنی قیدیوں کے چھڑانے میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں) اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کوئی (جائز) معاہدہ کرلیں اور جو لوگ صبر کرنے والے ہوں تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

عدمِ تکفیر اہل قبلہ اور اہل قبلہ کی تعریف

حضرت امام اعظمؒ سے بھی یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے لَا نُکَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ. ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ لیکن کیا نعوذ باللہ امام صاحب کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی جانب رہنے والے ہیں، خواہ مشرک ہوں یا کافر، کسی کی بھی تکفیر نہیں کرتے یا خدانخواستہ یہ مطلب ہے کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرکے کوئی بات کہے یا بیت اللہ کو قبلہ مانتا ہو یا قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو پھر وہ چاہے کوئی بھی کام کرے، بُت پرستی کرے یا کفریات بکے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ اگر یہی مطلب امام صاحبؒ کا تھا تو پھر انہوں نے جہنم کو اُخرُجْ عَنِّیْ یَا کَافِرُ (اکفاء) ''او کافر! میرے پاس سے چلا جا'' کیوں فرمایا۔ یہ ایک بدعتی گمراہ شخص تھا جو ایک فرقہ کا بانی ہے۔ امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میرا حضرتِ امام اعظمؒ سے چھ مہینہ مناظرہ رہا۔ آخر ہم دونوں کی رائے اس پر متفق ہوگئی کہ جو قرآن شریف کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ (اکفاء)

کیا قرآن شریف کو مخلوق کہنے والے اہل قبلہ نہ تھے؟ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ روزہ نہیں رکھتے تھے؟ کلمہ نہیں پڑھتے تھے؟ اسی طرح روافض کا وہ فرقہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی میں غلطی ہوگئی اور بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچا گئے، کیا وہ کلمہ گو نہیں ہے یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتا یا قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا؟ کیا قرامطہ (ایک فرقہ کا نام ہے) کے کفر میں کوئی تردد ہے جو

غسلِ جنابت کا انکار کرتے ہیں، شراب کو حلال بتاتے ہیں، سال میں صرف دو روزے فرض بتاتے ہیں، اذان میں محمد بن الحنفیہ رسول اللہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ (اشاعۃ) اور ان کے علاوہ بہت سے امور ان کے مذہب میں ہیں اور اس سب کے باوجود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ علماء نے تصریح کی ہے اور ایک دو نے نہیں سینکڑوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کریں۔ علامہ شامی نے لکھا ہے:

لاَ خِلاَفَ فِیْ کُفْرِ الْمُخَالِفِ فِیْ ضُرُوْرِیَاتِ الاِسْلاَمِ وَ اِنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ الْمُوَاظِبِ طُوْلَ عُمْرِہٖ عَلَی الطَّاعَات.

"اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں مخالف ہو وہ کافر ہے اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور عمر بھر عبادت کا اہتمام کرتا رہے۔"

اکفار الملحدین میں بزاس سے نقل کیا ہے: **اَھْلُ الْقِبْلَۃِ فِیْ اِصْلاَحِ الْمُتَکَلِّمِیْنَ مَنْ یُّصَدِّقُ بِضُرُوْرِیَاتِ الدِّیْنِ اَیِ الاُمُوْرُ الَّتِیْ عُلِمَ ثُبُوْتُھَا فِی الشَّرْعِ وَاشْتُھِرَ فَمَنْ اَنْکَرَ شَیْئًا مِّنَ الضُّرِیَاتِ کَحُدُوْثِ الْعَالَمِ وَ حَشْرِ الاَجْسَادِ وَ فَرْضِیَّۃِ الصَّلٰوۃِ وَالصَّوْمِ لَمْ یَکُنْ مِّنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَ لَوْ کَانَ مُجَاھِدًا بِالطَّاعَاتِ وَ کَذٰلِکَ مَنْ بَاشَرَ شَیْئًا مِّنْ اَمَارَاتِ التَّکْذِیْبِ کَسُجُوْدِ الصَّنَمِ وَ الاِھَانَۃِ بِاَمْرٍ شَرْعِیٍّ وَ الاِسْتِھْزَاءِ عَلَیْہِ فَلَیْسَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَ مَعْنیٰ عَدْمِ تَکْفِیْرِ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ اَنْ لَّا یُکَفَّرَ بِاِرْتِکَابِ الْمَعَاصِیْ وَ لاَ بِاِنْکَارِ الاُمُوْرِ الْخَفِیَّۃِ غَیْرِ الْمَشْھُوْرَۃِ ھٰذَا مَا حَقَّقَہُ الْمُحَقِّقُوْنَ فَاحْفَظْہُ.**

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین کا اقرار کرتا ہو۔ یعنی ایسے امور کا جن کا شریعت میں ثبوت معلوم و معروف ہے، جیسا کہ عالم کا حادث ہونا، قیامت میں بدن سمیت حشر ہونا، نماز روزہ کی فرضیت وغیرہ وغیرہ۔ بس جو شخص ایسی چیزوں کا انکار کرے گا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے، چاہے وہ عبادات میں کتنی ہی کوشش کرے۔ اسی طرح سے جس میں علامات تکذیب کی پائی جائیں جیسا کہ بُت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت کرنا یا اس کا مذاق اڑانا وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔ علماء کے اس ارشاد کا مطلب کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے یہ ہے کہ کسی گناہ کے

کرنے سے کافر نہیں بتاتے اور اسی طرح ایسے امور کے انکار سے جو شریعت میں غیر معروف ہیں۔ یہ ہے محققین کی تحقیق۔ اس کو خوب محفوظ رکھو۔

درحقیقت امام صاحبؒ یا دوسرے حضرات سے جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے یا اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے وہ خوارج کے مقابلہ میں ہے، جو ہر حرام کے کرنے سے کافر بتاتے ہیں یا ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو غیر معروف کا انکار کرتے ہیں۔ خود امام محمدؒ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ اَنْکَرَ شَیْئًا مِّنْ شَرَائِعِ الاِسْلَامِ فَقَدْ اَبْطَلَ قَوْلَ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. "جو شخص شرائع اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کردے اس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو باطل کردیا۔"

اور اگر یہی بات ہو کہ کلمہ پڑھنے کے بعد آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے یا جو چاہے بکے تو پھر اللہ جل جلالہ کے ارشاد میں یہود کی مذمت بے محل (بے فائدہ) ہوجائے گی:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. (سورہ بقرہ ع ۱۰)

کیا پس ایمان لاتے ہو تم کتاب اللہ کے بعض حصہ پر اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔ پس نہیں ہے بدلہ اس شخص کا جو ایسی حرکت کرے بجز اس کے کہ دنیوی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن ایسے لوگ سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور اللہ جل شانہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہیں۔

اسلام حتماً اور قطعاً وہی معتبر ہے جو اپنے تمام ضروری احکام کے ساتھ ہو۔ کوئی جز بھی اس میں سے خارج نہ ہو۔ ان اہل کتاب کی تردید فرماتے ہوئے جو اسلام لانے کے بعد تورات کے بعض احکام پر عمل کی خواہش رکھتے تھے، اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَافَّةً وَّ لاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (سورۂ بقرہ ع ۲۵)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم

(پیچھے) نہ چلو۔ وہ حقیقت میں تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ پس اگر تم ان واضح دلائل کے بعد بھی لغزش میں پڑ جاؤ تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہ زبردست ہیں (جو چاہیں سزا دیں) اور حکمت والے ہیں (کہ جب مصلحت سمجھیں سزا دیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب ایمان لانے کے بعد تورات کے بعض احکام پر عمل کرنے کے خواہشمند تھے (تمنا کرتے تھے) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائع میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور کوئی چیز اس میں سے چھوڑو نہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اہل کتاب نے تورات کے موافق شنبہ کے دن کی تعظیم کی درخواست کی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سا برتاؤ فرماتے تھے اور آج مسلمانوں کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ فرمایا تھا، لیکن کیا قرآن پاک کی آیت[1] یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ. (سورۂ توبہ ع ۱۰) اور اس جیسی آیات کے بعد بھی یہی معاملہ رہا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ایک ایک منافق کا نام لے کر مجلس سے نکال دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف فرما نہ تھے۔ وہ آئے تو ایک شخص نے ان کو مژدہ سنایا کہ آج اللہ نے منافقوں کو رسوا فرمایا۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور ایسا وعظ کہ ہم نے ویسا نہیں سنا اور ارشاد فرمایا کہ میں جن جن کا نام لیتا جاؤں وہ اُٹھ جائیں اور چھتیس آدمیوں کو نکال دیا۔ (درمنثور)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا آج کفر ہے یا اسلام۔ (بخاری)

---

[1] اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے (ہتھیار سے) اور منافقوں سے (زبان سے) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ دنیا میں تو یہ ہے (اور آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بری جگہ ہے ۱۲

اہل شام کے چند افراد نے شراب پی۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اس وقت شام کے حاکم تھے۔ انہوں نے مواخذہ فرمایا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حلال ہے اور قرآن شریف کی آیت[1] لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْ مَا طَعِمُوْٓا الآیہ (سورۂ مائدہ ع ۱۲) سے استدلال کیا۔

حضرت یزیدؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ میرا یہ خط اگر دن میں پہنچے تو رات کا انتظار نہ کرو اور رات کو پہنچے تو دن کا انتظار نہ کرو۔ ان لوگوں کو قبل ازیں کہ دوسروں کو گمراہ کریں فوراً میرے پاس بھیج دو۔ وہ لوگ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دین میں ایسی چیز اختیار کی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اس لئے ان کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا: تم بھی اپنی رائے ظاہر کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ان سے استفسار کیا جائے۔ اگر انہوں نے حلال سمجھ کر پی ہے تب تو قتل کر دیا جائے کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو حلال کیا جس کو اللہ جل شانہ نے حرام فرمایا ہے اور اگر ان لوگوں نے حرام سمجھ کر پی ہے تو اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں۔ (درمنثور)

کیا یہ لوگ کلمہ گو نہ تھے یا اہل قبلہ نہ تھے کہ صرف ایک شراب کو حلال سمجھنے کی وجہ سے ان سب حضرات نے متفقہ فیصلہ ان کے قتل کا فرما دیا۔

خیر القرون کے بیسیوں واقعات اس کی تائید میں ہیں کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک جز کا انکار بھی کفر و ارتداد ہے۔ یہاں نہ ان کی تفصیل کا موقع نہ گنجائش۔ مجھے صرف اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے، خواہ وہ کچھ ہی کرے یا کچھ ہی کہے، یہ علماء کا کام ہے کہ وہ کافر بناتے پھریں، کہنے والے خواہ طعن سے کہتے ہوں مگر یہ صحیح ہے کہ صرف علماء کا کام ہے۔ غیر عالم نہ بتا سکتا ہے کہ کیا چیز کفر کی ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بلا کسی شرعی حجت کے کسی

---

[1] ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں ۱۲

شخص کو کافر کہنا ناجائز اور حرام ہے۔ جیسا کہ میں اس خط کے سوال نمبر ۳ کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں۔ یہ مضمون طبعًا درمیان میں آ گیا تھا۔ میں یہ لکھ رہا تھا کہ علماء پر سب و شتم کرنے والے ان امور کا بھی لحاظ کریں۔

ذاتی اوصاف وکمالات اور تبحر علمی دو مستقل الگ الگ چیزیں ہیں

اس سلسلہ میں چوتھی بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ذاتی اوصاف، ذاتی کمالات، طبعی اخلاق ایک مستقل جوہر (یعنی خزانہ) ہے اور علمی غور وخوض، علمی تبحر، علمی کمال ایک مستقل کمال ہے، مستقل فن ہے۔ ان دونوں کو آپس میں خلط کر دینا (ملانا) ان دونوں میں تلازم سمجھنا غلطی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو علمی دریا میں غوطہ زن ہو وہ ذاتی کمالات اور محاسنِ اخلاق میں بھی کمال کا درجہ رکھتا ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہر عالم شیخ وقت ہوتا۔ حضرات صوفیاء کرام کو درستی اخلاق کے لئے مستقل خانقاہوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ مشائخ طریقت کو اس کے لئے مجاہدات کرانے نہ پڑتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جامعیت کی شان تھی

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت کی شان عطا فرمائی تھی اور اس قلیل جماعت کے لئے اس کی ضرورت بھی تھی کہ ہر چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر پھیلانے والی وہی ایک جماعت تھی اور مشکوٰۃ نبوت سے نور کی ہر نوع (قسم) کا پھیلنا ضروری تھا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین ہی کے زمانہ سے ہر نوع کو مستقل طور پر حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی اور اسی لئے محدثین اور فقہاء مفسرین اور صوفیہ کی جماعتیں مستقل قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ ان میں بہت سے اللہ کے بندے مختلف صفات کے جامع بھی ہوئے اور اب تک ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن بہت سے افراد کسی خاص صفت کے ساتھ ممتاز ہوئے اور ہیں۔ اس لئے یہ سمجھ لینا کہ ہر وہ شخص جو علم کے کسی خاص رُتبہ پر فائز ہو وہ اخلاق و اوصاف کے بھی اسی رُتبہ پر ہوگا، زمانہ کے تدریجی تغیرات (آہستہ آہستہ تبدیلی) سے ناواقفیت ہے یا ذہول (جاہل) ہے۔ اس

میں شک نہیں کہ علم کے لئے کمالات باطنیہ اور اخلاقِ حسنہ نہایت ضروری اور زینت ہیں۔ لیکن ان کا حصول نہ علم کے لئے لازم ہے نہ علم کا ان پر مدار اور توقف ہے۔ اس کے علاوہ علماء اور مشائخ تصوف کے بعض اخلاق میں بھی فرق ہے۔

مشائخ سلوک اور علماء کی شان جدا جدا ہے

یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو مشائخ سلوک کے یہاں کمال سمجھی جاتی ہے وہ علماء کے حق میں بھی کمال ہو۔ ایک معمولی سی چیز حسنِ ظن اور تحقیق حال ہی کو دیکھ لو کہ صوفیہ کے یہاں حسنِ ظن اور مومن کے ساتھ مطلقاً نیک گمان کمال ہے اور علماء جرح و تعدیل (تحقیق اور انصاف) پر مجبور ہیں۔ اسی لئے صوفیہ کی روایات محدثین کے یہاں اکثر مجروح ہوجاتی ہیں کہ وہ حسنِ ظن کی بناء پر ہر مومن سے روایت لے لیتے ہیں اور ان حضرات محدثین کے یہاں جرح و تعدیل مستقل فن بن گیا اور اس کے مستقل ائمہ بن گئے۔ اس لئے علمی درجہ میں جس چیز کو دیکھنا ہے وہ یہ ہے کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ مذہب کے موافق ہے یا نہیں، قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا مخالف، سلف صالحین اور فقہائے معتبرین کے ارشادات سے باہر تو نہیں، اگرچہ علمی درجہ میں اس سے کچھ کوتاہی بھی ہوجاتی ہو۔

بغیر خود عمل کے دوسروں کو امر بالمعروف کی اجازت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ نیک کام کا حکم نہ کریں جب تک خود عمل نہ کرلیں اور بُری بات سے کسی کو نہ روکیں جب تک خود اس سے بالکل نہ رک جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ نیک کاموں کا حکم کیا کرو اگرچہ خود عمل نہ کرسکو اور بُری باتوں سے روکا کرو اگرچہ خود اس سے نہ رک سکو۔ (جمع الفوائد وحکم علیہ بالضعف وفی الجامع الصغیر رقم لہ بالحسن)

پانچویں چیز یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ تغیر زمانہ کا عام اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے تو اہل علم اس سے باہر کہاں جاسکتے ہیں۔ زمانہ جتنا بھی زمانہ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اتنے ہی فتنے وشرور اس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے

ضعف وانحطاط (کمزوری اور مرتبہ کا کم ہونا) کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہل علم کے لئے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔

دینی انحطاط کی حدیث میں پیشگوئی

جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آ جائے ہر شخص کہتا ہے: اجی وہ قوتیں اب کہاں رہیں، لیکن جب قوائے روحانیہ، مجاہدات علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنیدؒ، شبلیؒ، بخاریؒ، غزالیؒ کے اوصاف کا طالب اور خواہشمند بن جاتا ہے۔ حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ عَامٌ وَ لَا يَوْمٌ اِلَّا وَ الَّذِيْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِرِوَايَةِ اَحْمَدَ وَ الْبُخَارِيْ وَ غَيْرِهِمَا وَ رَقَمَ لَهٗ بِالصِّحَةِ.

"تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ بُرا نہ ہو۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔"

مناوی کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں۔ حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا جو علم کے اعتبار سے گزشتہ دن سے کم نہ ہو۔ اور جب علماء نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا حکم کرنے والا اور بُری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا تو اس وقت سب ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ (جامع الصغیر)

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ صلحاء ایک ایک ہو کر اٹھ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جو (بچھے ہوئے) اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوئی) کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں گے (مشکوٰۃ بروایۃ البخاری) اس لئے دین اور دینی امور کا انحطاط، کمی، ضعف تو سب ہی کچھ ہو کر رہے گا۔ ایسی حالت میں صلاح و فلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے اس کو مغتنم (غنیمت) سمجھنا ہی ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اس زمانہ میں جن آنکھوں نے اکابر کو دیکھا ہے، ان کے فیوض و علوم سے تمتع حاصل کیا ہے وہ ان کے بعد والی نسلوں کو ان جیسا نہ پا کر اعراض اور روگردانی کرتے ہیں۔

اسلاف کے مقابلہ میں مشائخ وقت کو نظر میں نہ لانا سخت محرومی ہے

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے وصال کے بعد حضرت کے اجلہ خلفاء حضرت سہارنپوری حضرت شیخ الہند حضرت رائے پوری نوراللہ مراقدہم کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے اور محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ حضرات ہدایت کے آسمانوں کے آفتاب تھے اور ان سے تعلق رکھنے والے بہت سے ان کے جانشینوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے کہ وہ ان بعد والوں کا مقابلہ ان سے پہلے والوں کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ اور چونکہ یہ حضرات بالکل ویسے نہیں ملتے اس لئے ان کی نگاہوں میں نہیں جچتے۔ لیکن اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوا۔ خود ان لوگوں کی محرومی ہوئی کہ وہ اپنے اس تخیل (خیال) کی وجہ سے ترقیات سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ جو جاچکے ہیں وہ واپس نہیں آئیں گے اور جو آنے والے ہیں وہ ان جیسے بھی نہ ہوں گے۔ ہاں یہ ضرور دیکھیں کہ یہ شخص ضروریاتِ دین پر عمل کرتا ہے یا نہیں کہ ان کا انکار کرنے والا تو سرے سے اسلام ہی میں نہیں ہے۔ اس کے بعد جو شخص جتنا زیادہ اتباعِ سنت کا دلدادہ ہے اتنا ہی ہدایت یافتہ ہے کہ اصل ہدایت طریقہ سنت ہے۔

چھٹی چیز یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اہل علم آخر ہم ہی لوگوں میں سے پیدا ہوں گے اور ہوتے ہیں۔ کہیں باہر سے دوسری مخلوق نہیں آتی۔ اس لئے جس قسم کے لوگوں سے وہ تیار ہوں گے اکثر ویسے ہی اثرات اپنے میں رکھیں گے۔ جیسا لوہا ہوگا ویسی ہی تلوار بن سکے گی اور جیسی مٹی ہوگی ویسا ہی برتن ڈھلے گا، جیسا تانبا ہوگا ویسی ہی اس پر قلعی ہوگی

خیارکم فی الجاهلية خیارکم فی الاسلام (الحدیث)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا. (مشکوٰۃ بروایہ الشیخین) "تم میں سے جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہترین شمار ہوتے ہیں وہی اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ فقیہ اور عالم بن جائیں۔" اب بھی یہی بات ہے کہ جو لوگ ذاتی شرافتوں کے ساتھ علم دین حاصل کرتے ہیں وہ اخلاقِ

حسنہ کے منتہا پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ علم دین کے ساتھ مخصوص نہیں، دنیاوی علوم میں دیکھ لو کہ ذاتی شرافت سے عاری لوگ جب دنیوی علوم پڑھ کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچتے ہیں تو وہ کس قدر رشوت ستانی اور مظالم سے خلقِ خدا کی اذیت کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے اگر عام طور سے مسلمانوں کے بہترین دماغ علوم دینیہ کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ علماء کا قصور ہے یا خود ان کا قصور ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں شمار کرایا ہے کہ بڑے لوگوں میں فواحش کی کثرت ہوجائے گی اور حکومت چھوٹے لوگوں میں اور علم کم حیثیت جماعتوں میں ہوگا۔ اچھے لوگ دین کے بارے میں مداہنت کرنے لگیں گے۔ (اشاعۃ) ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم چھوٹے لوگوں کے پاس سے حاصل کیا جائے گا۔ (اشاعۃ) یعنی بڑے آدمیوں کو حبِ مال اور حبِ جاہ کی بدولت علم دینیہ حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ کس قدر ظلم ہے کہ جو لوگ فارغ البال ہیں، کچھ آسودگی رکھتے ہیں، وہ اپنی قیمتی عمروں کو کس قدر بے کار، ضائع ہوجانے والی، فنا ہوجانے والی کوششوں میں تلف (ضائع) کر دیتے ہیں۔ کیا ان حضرات کے پاس اللہ کے یہاں جواب دہی کے لئے کوئی معقول عذر ہے؟

قیامت کے دن پانچ باتوں کی جوابدہی لازم ہوگی (الحدیث)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے دونوں قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک پانچ باتوں کی جواب دہی نہ کرلے گا۔ اپنی عمر کو کس چیز میں خرچ کیا۔ اپنی جوانی کو کس جگہ صرف کیا (یعنی اس جوانی کی قوت و طاقت کو رضا الٰہی میں خرچ کیا یا ناراضی میں) اور اپنے مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (یعنی مال کے کمانے کے ذرائع جائز اختیار کئے یا ناجائز طریقہ سے حاصل کیا۔ مثلاً رشوت سود اور دوسرے ناجائز معاملات۔ اسی طرح جہاں خرچ کیا وہ جائز تھا یا ناجائز تھا۔ اسراف (فضول خرچ) اور بخل کے درمیان تھا یا کسی ایک جانب بڑھا ہوا تھا) اور جو کچھ علم حاصل کیا اس پر کیا عمل کیا (علم حاصل کرنا مستقل فریضہ ہے اور جو کچھ حاصل کیا اس پر عمل کرنا مستقل امر ہے۔ لاعلمی سے کسی معصیت میں مبتلا ہونا ایک گناہ ہے اور علم

کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اور گناہ میں مبتلا ہونا اور بھی زیادہ سخت ہے) (مشکوٰۃ) اس لئے جو لوگ اپنی عمروں کو اور اس زندگی کو جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی چیز میں ضائع کررہے ہیں وہ خود ہی جواب دہی کی فکر کرلیں۔ اس بارگاہ میں نہ تو کسی کی وکالت اور بیرسٹری کام آنے والی ہے نہ لسانی اور جھوٹے گواہ کچھ مدد کرسکتے ہیں۔ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان پانچ باتوں کے جواب کی تیاری رکھے۔ بڑی عدالت میں جواب دہی کرنا ہے۔

ذاتی اوصاف کا اثر اور حدیث: ائمہ من القریش

میرا مقصود تو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ ذاتی اور نسبی اوصاف اثر رکھتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الائمۃ من قریش'' ارشاد فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شب کو مدینہ طیبہ کی پاسبانی فرمارہے تھے۔ پھرتے پھرتے تکان کی وجہ سے ایک دیوار سے وہارا لگا کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ایک بڑھیا کی آواز آئی جس نے اپنی لڑکی کو آواز دے کر کہا کہ دودھ میں پانی ملادے۔ لڑکی نے عذر کیا کہ امیر المومنین کی طرف سے اس کی ممانعت کا اعلان ہوچکا ہے۔ ماں نے کہا کہ امیر المومنین کیا یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی نے کہا: یہ تو بہت ہی ناموزوں (نامناسب) ہے کہ سامنے تو امیر کی اطاعت کریں اور پس پردہ نافرمانی، یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو ذہن نشین فرمالیا اور صبح ہوتے ہی اپنے صاحبزادہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی منگنی اس لڑکی سے بھیج دی۔ اسی لڑکی کی اولاد سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔

(ازالۃ الخفاء ج۲ ص ۷۸)

علومِ دینیہ کی تحصیل بمد مجبوری سمجھنا

ساتویں چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ قوم کی طرف سے علمی مشاغل اور دینی خدمات کے لئے علی العموم کن افراد کو چُنا جاتا ہے۔ آپ خاص طور سے دیکھیں گے کہ جس شخص کے کئی بیٹے ہیں، ان کو اوّل خاص طور سے دنیاوی علوم میں لگایا جائے گا۔ اس کی سعی کی جائے گی۔ انتھک کوشش کی جائے گی۔ جب اس سے مایوسی ہوجائے گی تب وہ دینی

مدرسہ کے سپرد کیا جائے گا۔ کیا یہ دین اور علمِ دین پر سخت ظلم نہیں۔ کیا اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا نہیں۔ بہت کم خاندان ایسے ملیں گے جہاں دینی علوم کے حاصل کرنے کو مستقل مقصود اور اصل سمجھا جاتا ہو۔ ورنہ عام طور سے مجبوری کا نام صبر ہے۔ بالعموم عربی کے حاصل کرنے والے وہی افراد ملیں گے جو اپنے مربیوں (تربیت کرنے والوں) کی غربت و افلاس سے دنیوی علوم حاصل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ یقیناً ضرورت مند بھی ہوں گے۔ وہ سوال کی طرف بھی مضطر (مجبور) ہوں گے۔ اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ان کا سوال کی طرف مضطر ہونا ان کی بے غیرتی نہیں ہے، ان لوگوں کی بے غیرتی ہے جو خود ان کی ضروریات کی فکر اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ جب یہ لوگ ان کی دینی ضروریات کا تکفل کرتے ہیں تو کیا شرعاً عقلاً عرفاً ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان کو ضروریات بشریہ سے سبکدوش رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورِ انحطاط میں عام طور سے جو افراد علوم دینیہ کو حاصل کرتے ہیں اور وہ کسی درجہ میں ذی استعداد، ذی فہم ہوجاتے ہیں، وہ اس زندگی کو جو دنیاداروں کی نگاہ میں ذلت ہے اکثر خیر باد کہہ کر یا طب پڑھتے ہیں یا پھر کسی ڈگری وغیرہ کی فکر میں لگ کر دنیوی مشاغل ملازمت تجارت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ (آہستہ آہستہ) اپنے ان علوم سے جن کو محنت و مشقت سے حاصل کیا تھا بیگانہ ہوجاتے ہیں۔ اوّل تو ان علومِ دینیہ کی طرف آمد ہی کم تھی اور آنے کے بعد بھی پھر معظم (بڑا) حصہ اس سے نکل جاتا ہے۔

یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ الزام کس پر ہے۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ چند بھائیوں کی جائیداد ہو اور وہ خود ملازم پیشہ ہوں تو اپنے میں سے کسی ایک کو جائیداد کے انتظام کے واسطے منت سماجت سے لجاجت سے خوشامد سے اس پر راضی کیا جائے گا کہ وہ اپنی ملازمت کو خیر باد کہے اور سب کی جائیداد کی خبرگیری کرے۔ اپنی تنخواہ اس مشترک کھاتے سے نکالے اور اس ایثار پر اس کا احسان مند ہونا پڑے گا، وہ بھی دس نخرے کرے گا۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ جائیداد کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ سخت مجبوری ہے وہ ضائع نہ ہوجائے۔ لیکن گھرانے کے چند بھائی نہیں، سارے محلّہ کے متمول نہیں، پورے گاؤں پورے قصبہ اور تمام شہر کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہاں دین

سے واقف، مسائل سے واقف، ضروریاتِ دین کا پورا کرنے والا کوئی شخص ہو۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ دین کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ضائع ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہے۔ ہر شخص اردو کے چند رسائل دیکھ کر خود عالم بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے جہاد جیسی عظیم الشان اور ضروری چیز میں بھی اس کی رعایت کا حکم فرمایا کہ سب کے سب جہاد میں نہ چل دیں بلکہ علم سیکھنے کے لئے بھی ایک جماعت باقی رہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ کے اخیر میں فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الآیہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ ہر فرقہ میں ایک فقہاء کی جماعت رہنا چاہئے۔

آٹھویں چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ہر شخص کا مقابلہ علم کے بعد اس کی حیثیت سے ہوسکتا ہے۔ یہ ظلم محض ہے کہ ایک جانب دین یا دنیا کے اعتبار سے اعلیٰ طبقہ لے لیا جائے اور دوسری جانب ادنیٰ طبقہ شمار کیا جائے۔ ہر شخص کے متعلق یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ علم کے ساتھ متصف نہ ہوتا تو اپنے ماحول کے اعتبار سے یا اپنی حیثیت کے اعتبار سے کن اخلاق و اوصاف اور کن مشاغل کا اختیار کرنے والا ہوتا۔ اس کے بعد اب غور کیا جائے کہ علم نے کتنی اصلاح کی ہے۔ مثال کے طور پر میں نے یہ چند امور ذکر کئے ہیں۔ غور سے اور بھی بہت سے امور کا اس میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ میں نے تو جو کچھ لکھا ہے وہ بھی بمجبوری لکھا ہے

کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو وہ ماجرا جو قابل شرح و بیاں نہیں

علماء حق اور علماء سوء کا فرق

اس سب کے بعد مجھے اس چیز سے بھی انکار نہیں ہے کہ علمائے سوء اور علمائے حق دو مستقل علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔ علمائے سوء کے متعلق احادیث میں بڑی سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جہنم میں سب سے پہلے جانے والے طبقہ میں بھی ان کو شمار کیا ہے۔ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا بھی ان کو بتایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ دنیا کمائے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو علم اس لئے حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنی طرف

متوجہ اور مائل کرے وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ (ترغیب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں کے بدترین علماء ہیں۔ (ترغیب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ علم ہے جو صرف زبان پر ہو (دل میں اس کا کچھ بھی اثر نہ ہو) وہ اللہ کی حجت ہے مخلوق پر (کہ اللہ جل شانہ نے اپنی حجت تمام فرما دی) اور ایک علم وہ ہے جو دل میں ہو۔ وہی علمِ نافع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اخیر زمانہ میں عابد لوگ (یعنی صوفی) جاہل ہوں گے اور عالم فاسق۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ علماء کا اس سے مقابلہ کرو اور بیوقوفوں سے اس کے ذریعہ سے جھگڑو اور لوگوں کو اس کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کرو۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں اس امت پر سب سے زیادہ خائف منافق عالم سے ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ منافق عالم کیسا ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ زبان کا عالم اور دل کا جاہل۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تُو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا حامل ہو کر اور حکماء کی (تحقیقات) نادرہ (عجیب) کا واقف ہو کر بیوقوفوں کے سے عمل کرنے لگے۔ ابراہیم بن عینیہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ نادم کون شخص ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں شرمندہ وہ ہے جو احسان فراموش کے ساتھ احسان کرے اور موت کے وقت شرمندہ وہ عالم ہے جو حدود سے بڑھ جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کمانے لگے۔ یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا کمائی جاتی ہے تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو تو اپنے دین کے بارہ میں اس کو متہم (جس پر تہمت ہو) سمجھو۔ اس لئے کہ ہر چیز کا محبت کرنے والا اسی میں گھل مل جاتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ میں نے پہلی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے تو کم سے کم معاملہ میں اس کے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی حلاوت اس کے دل سے نکال دیتا ہوں۔ (احیاء) یہ سب ارشادات اور ان جیسے فرامین یقیناً علمائے سوء کے بارے میں کثرت سے وارد

ہوئے ہیں، لیکن یہ بات کہ فلاں شخص یا فلاں جماعت علمائے حق میں ہے اور فلاں شخص اور فلاں جماعت علمائے سوء میں ہے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ بھی شریعت ہی کے میزان سے معلوم ہوسکتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو شخص ہماری رائے کے موافق کہے وہ علمائے حق سے ہے اور جوں ہی وہ کوئی بات ہمارے خلاف کہہ دے وہ فوراً علمائے سوء کی فہرست میں داخل ہوکر گردن زدنی بن جائے۔ کل تک ہماری رائے فلاں سیاسی جماعت کے موافق تھی، لہٰذا جتنے علماء اس کے موافق تھے وہ سب علمائے حق تھے اور آج ہماری رائے اس کے خلاف ہوگئی تو جتنے علماء اس پہلے خیال پر باقی ہیں آج سے سب علمائے سوء کی کالی فہرست میں داخل ہوگئے۔ علمائے حق اور علمائے سوء ہونے کا دارومدار صرف قرآن وحدیث کے موافق علم وعمل پر ہے اور بس۔ لیکن ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی فہم نارسا (کم سمجھی) اور جذبات یا کفار کے زیر اثر ایک مسئلہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں۔ اس کے بعد جو شخص اس کے موافق ہے وہ بڑا علامہ ہے، واقفِ اسرارِ ملت ہے، رموزِ شریعت کا ماہر ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی جاہل اور بے علم ہو، قرآن وحدیث سے ذرا بھی مس (سمجھا) نہ ہو۔ اور جو اکابر ہماری اس رائے کے خلاف ہیں خواہ وہ کتنے ہی علوم کے ماہر ہوں، حقیقتاً رموز شریعت کے ماہر ہوں اور صحیح معنے میں واقفِ اسرارِ ملت ہوں، لیکن ہم لوگ ہر بُرے سے بُرے لفظ کے ساتھ ان کا مضحکہ (مذاق) اُڑانے کے لئے، ان کو ذلیل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حالانکہ سلفِ صالحین نے صوفیہ کرام کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی قلبی معرفت سے اپنے باطنی علوم کی روشنی سے کوئی ایسی بات اختیار کرلیں جو علمائے ظاہر کے خلاف ہو۔ اہلِ فن کے اقوال، ان کی کتابیں اس مضمون سے لبریز ہیں۔

علماء ظاہر کی موافقت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

حضرت اقدس مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں جو مولانا امان اللہ فقیہ کے نام تحریر فرمایا ہے کہ سالک کے لئے سب سے اوّل وہ اعتقاد ضروری ہے جس کو علمائے اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث اور آثار سلف سے استنباط فرمایا ہے (نکالا ہے) نیز قرآن وحدیث کا ان معانی پر حمل کرنا بھی ضروری ہے جو

علمائے حق نے کتاب و سنت سے سمجھے ہیں۔ اگر بالفرض اس کے خلاف کوئی معنے کشف یا الہام سے ظاہر ہوں، ان کا ہرگز اعتبار نہیں اور ایسے معنے سے پناہ مانگنا چاہئے اور اللہ جل جلالہ سے دعا کرنا چاہئے کہ اس گرداب سے نکال کر علمائے حق کی صائب رائے کے موافق امور کو ظاہر فرمادے۔ ان کی رائے کے خلاف کوئی چیز بھی زبان سے ظاہر نہ کرے اور اپنے کشف کو ان معانی کے موافق بنانے کی کوشش کرے جو ان حضرات نے سمجھے ہیں۔ اس لئے کہ جو معانی ان حضرات کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف دل میں آئیں، وہ ہرگز بھی قابلِ اعتبار نہیں، بالکل ساقط (بے کار) ہیں۔ کیونکہ ہر گمراہ شخص اپنے معتقدات کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا. اور یہ بات کہ ان حضرات ہی کے سمجھے ہوئے معانی صحیح ہیں، اس لئے ہے کہ ان حضرات نے ان معانی کو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار سے سمجھا ہے اور ہدایت کے ستاروں کے انوار سے اخذ کیا ہے (نکالا ہے) لہٰذا نجاتِ ابدی (ہمیشہ کی کامیابی) ان کے ساتھ مخصوص ہے اور دائمی فلاح ان ہی کا حصہ ہے۔ اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلاَ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت ہی فلاح یافتہ ہے) اور اگر بعض علماء باوجود صحیح العقیدہ ہونے کے مسائل میں کچھ سُستی کرتے ہیں یا اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں اور تقصیرات (یعنی گناہ) کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس وجہ سے مطلقاً علماء کی جماعت پر انکار کرنا یا سب کو مطعون (طعنہ) کرنا کمال بے انصافی ہے، بلکہ اکثر ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔ اس لئے کہ ضروریاتِ دین کے بتانے والے یہی لوگ ہیں اور یہی ناحق کو پرکھنے والے ہیں۔

لَوْ لاَ نُوْرُ هِدَايَتِهِمْ لَمَا اهْتَدَيْنَا وَ لَوْ لاَ تَمْيِيْزُ هُمُ الصَّوَابَ عَنِ الْخَطَاءِ لَغَوَيْنَا وَ هُمُ الَّذِيْنَ بَذَلُوا جُهْدَ هُمْ فِیْ اِعْلاَءِ كَلِمَةِ الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ وَ اَسْلَكُوْا طَوَائِفَ كَثِيْرَةٍ مِّنَ النَّاسِ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ فَمَنْ تَابَعَهُمْ نَجیٰ وَ اَفْلَحَ وَ مَنْ خَالَفَهُمْ ضَلَّ وَ اَضَلَّ. (دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ص ٢٨٦)

اگر ان لوگوں کی ہدایت کا نور نہ ہوتا تو ہم لوگ ہدایت یافتہ نہ ہوتے اور ان لوگوں کا غلط اور صحیح کو ممتاز کردینا نہ ہوتا تو ہم گمراہ ہوجاتے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوشش کو دین متین کے بلند کرنے میں خرچ کیا اور بہت سی جماعتوں کو صراطِ مستقیم پر

چلایا۔ پس جو شخص ان کا اتباع کرے گا، کامیاب ہوگا اور نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

دوسری جگہ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَاعْلَمْ اَنَّ کَلَامَهُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ مُطَابِقًا بِاَحْکَامِ الشَّرِیْعَةِ فَلَا اِعْتِبَارَ لَهٗ اَصْلاً فَکَیْفَ یَصْلُحُ لِلْحُجَّةِ وَ التَّقْلِیْدِ وَ اِنَّمَا الصَّالِحُ لِلْحُجَّةِ وَ التَّقْلِیْدِ اَقْوَالُ الْعُلَمَاءِ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ فَمَا وَافَقَ اَقْوَالَهُمْ مِّنْ کَلَامِ الصُّوْفِیَةِ یُقْبَلُ وَ مَا خَالَفَهُمْ لَا یُقْبَلُ. (مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم ص۲۸۹)

اس بات کو جان لے کہ صوفیہ کا کلام اگر شریعت کے احکام کے موافق نہیں ہے تو اس کا کچھ بھی اعتبار نہیں وہ دلیل اور قابلِ تقلید کیسے ہوسکتا ہے۔ دلیل اور تقلید کے قابل صرف علماء سنت کے اقوال ہیں۔ صوفیہ کے اقوال میں سے جو قول علماء کے اقوال کے موافق ہوگا وہ معتبر ہوگا۔ جو اس کے خلاف ہوگا وہ غیر مقبول ہے۔

جب اکابر صوفیہ کا یہ حال ہے کہ جن کے قلوب حقیقتاً روشن ہیں، اللہ جل جلالہ کی عظمت اور دین کا احترام، دینیات کی وقعت اور احکامِ شرعیہ پر مرمٹنا ان کی جان ہے، جب ان کے اقوال بھی علماء کی موافقت کے بغیر نا قابل احتجاج، نا قابل تقلید، نا قابل بیان ہیں تو پھر ان لوگوں کے اقوال و افعال کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے جنہیں نہ دین کی خبر ہے نہ قرآن پاک اور احادیث اور اقوال سلف کی ہوا لگی ہے۔ کلام اللہ شریف کا ترجمہ دیکھا اور ایک مطلب سمجھ لیا۔ اس کے بعد پھر وہ مستقل مجتہد ہیں اور اس کے خلاف کوئی عالم بلکہ سارے علماء مل کر بھی جو کہیں وہ سب لغو و بے کار ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث کا مطلب وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرما گئے اور عمل کرکے بتا گئے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا الآیۃ (سورۂ سجدہ ع ۵) ”بلا شبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر مخفی نہیں۔ بھلا جو شخص آگ میں ڈال دیا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن و امان کے ساتھ آئے۔ تم جو چاہے اعمال کرو، حق تعالیٰ شانہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔“

درمنثور میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے الحاد کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کو کسی دوسرے محمل پر محمول کیا جائے۔ سینکڑوں احادیث میں سلف کے

اتباع کا حکم ہے۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ اِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيْ وَ ابْنُ مَاجَةَ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صبح کی) نماز ہم کو پڑھائی۔ اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر وعظ فرمایا جو ایسا بلیغ تھا کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل خوف سے لرزنے لگے۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا وعظ ہے گویا الوداعی (اور آخری وعظ) ہو۔ پس ہم کو کوئی وصیت فرما دیجئے۔ (یعنی کوئی ایسی پختہ بات فرما دیجئے جس کو مضبوط پکڑے رکھیں) ارشاد فرمایا: میں تم کو اس کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ کرتے رہنا اور امیر کی اطاعت خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا۔ پس میرے طریقہ کو اور خلفائے راشدین کے جو کہ ہدایت یافتہ ہیں طریقہ کو مضبوط پکڑے رہنا۔ اسی کا اتباع کرنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔ نئی نئی باتوں سے احتراز رکھنا (بچنا) کہ (دین میں) ہرنئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

سنت کے اہتمام میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک اہم خط

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک نہایت اہم خط سنت کے اہتمام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع کے بارے میں لکھا ہے جو ابوداؤد شریف میں مذکور ہے۔ اس کا ہر ہر حرف قیمتی ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

فَمَا دُوْنَهُمْ مِنْ مقصر وَ مَا فَوْقَهُمْ مِنْ محسرٍ وَ قَدْ قصر دُوْنَهُمْ فَجَفَوْا و طمح عَنْهُمْ اَقْوَامٌ فَغَلَوْا وَ اِنَّهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ.

''ان کے اتباع میں کوتاہی کرنا تقصیر ہے اور اس سے آگے بڑھنا تکان ہے۔ ایک جماعت نے اس سے کوتاہی کی تو ظلم کیا اور دوسرے اس سے آگے بڑھ گئے، انہوں نے غلو کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی افراط و تفریط (دین کی باتوں میں کمی یا زیادتی) کے درمیان میں سیدھے راستہ پر ہیں۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے جو طریقے جاری کئے ہیں، ان کو اہتمام سے پکڑنا ہی اللہ کی کتاب کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے اور دین کی قوت ہے۔ نہ کسی کو ان کی تبدیلی کا حق ہے نہ تغیر کا۔ نہ ان کے مخالف کی رائے قابل غور ہے۔ جو ان کا اتباع کرے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو ان چیزوں سے مدد حاصل کرے وہ منصور (یعنی اس کی مدد کی گئی) ہے۔ جو ان کے خلاف کرے اور مومنین کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے، اللہ جل شانہ اس کو اپنے اختیار کردہ راستہ پر عمل نہ کرنے دیں گے اور جہنم میں پھینک دیں گے جو نہایت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (شفا)

حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم لوگ ان اسلاف کے قدم بقدم چلتے رہیں۔ وَ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ.

اس ساری تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ علمائے حق کا اتباع اور احترام نہایت ضروری اور نہایت اہم ہے۔ ان کا احترام نہ کرنا اپنی بربادی ہے، اپنی ہلاکت ہے۔ ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ کا قصور ہے۔ ہاں ان کی بات محقق طور پر شرع کے خلاف ہو تو اس بات کا لینا جائز نہیں ہے۔ مگر اس کی وجہ سے ان سے دُوری اپنے بقیہ امورِ دینیہ کا نقصان ہے۔ جیسا کہ میں خط کے شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سے لکھ چکا ہوں۔ اس کے بالمقابل علمائے سوء کی بات نا قابل التفات، نا قابل عمل ہے۔ وہ قابل احتراز ہیں، قابل دوری ہیں۔ البتہ اگر کوئی بات ان کی شریعت کے موافق ہو تو وہ قابل عمل ہے اور ضرور لی جائے، لیکن اس کا پہچاننا کہ یہ بات شریعت کے موافق ہے اور یہ شریعت کے خلاف ہے، خود شریعت سے واقفیت پر موقوف ہے۔ محض اپنی رائے سے نہ کسی بات کو شریعت کے موافق کہا جاسکتا ہے نہ شریعت کے خلاف۔ جیسا کہ کسی غیر شرعی چیز کو شریعت بنا لینا گناہ ہے اور قابل رد ہے، اسی طرح

کسی شریعت کی بات کو رد کر دینا بھی سخت معصیت (گناہ) ہے اور جس چیز میں اشتباہ پیدا ہو، اس میں احتیاط کی جانب عمل کرنا چاہیے۔

الحلال بیّن والحرام بیّن (الحدیث)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَ الْحَرَامُ بَیِّنٌ وَّ بَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ لاَ یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَ عِرْضِہٖ وَ مَنْ وَّقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعیٰ حَوْلَ الْحِمیٰ یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْہِ اَلاَ وَ اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمیٰ اَلاَ وَ اِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ اَلاَ وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلاَ وَ ھِیَ الْقَلْبُ کَذَا فِی الْمِشْکوٰۃِبِرِوَایَۃِ الشَّیْخَیْنِ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حلال کھلا ہوا ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جس کو بہت سے آدمی نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہ کی چیزوں سے بچا، اس نے اپنے دین کو اور آبرو کو (عیب سے) پاک صاف رکھا اور جو شبہ کی چیزوں میں پڑا، وہ حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔ جیسا کہ وہ چرواہا کہ باڑہ (علاقہ ممنوعہ) کے قریب اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ جانور باڑہ کے اندر بھی چرنے لگیں گے۔ خبردار ہو کہ ہر بادشاہ کے لئے ایک باڑہ (یعنی ممنوعہ علاقہ) ہوتا ہے۔ اللہ کا ممنوع علاقہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ خبردار ہو کہ بدن میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

ایک دوسری حدیث میں: عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلاَمْرُ ثَلٰثَۃٌ اَمْرٌ بَیِّنٌ رُشْدُہٗ فَاتَّبِعْہُ وَ اَمْرٌ بَیِّنٌ غَیُّہٗ فَاجْتَنِبْہُ وَ اَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِیْہِ فَکِلْہُ اِلَی اللّٰہِ رَوَاہُ اَحْمَدُ کَذَا فِی الْمِشْکوٰۃِ.

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امور تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ امر ہے جس کا حق ہونا کھلا ہوا ہو۔ اس کا اتباع کرو۔ ایک وہ امر ہے جس کی گمراہی واضح ہو، اس سے

پرہیز کرو۔ ایک وہ امر ہے جس میں اختلاف ہو (اور حق ناحق واضح نہ ہو) اس کو اللہ کے سپرد کرو۔" اللہ کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے سے بے دلیل کوئی حکم نہ لگاؤ۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ مذہب اسلام نقلی مذہب ہے۔ اس کی ہر بات کے لئے اور ہر مسئلہ کے لئے نقل کی ضرورت ہے۔ اللہ جل جلالہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دین کا جز ایسا نہیں چھوڑا جس کے باب میں اصولی یا فرعی کوئی حتمی اور قطعی فیصلہ نہ فرما دیا ہو۔ اس لئے ہر بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل اور اسی طرح صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے کہ بغیر علم کے دین کے احکام کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی دینی ضروریات سے خود واقف بنے اور اگر یہ نہ ہو سکتا ہو تو دوسرے درجہ میں لامحالہ کسی عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

جو لوگ نہایت بے فکری سے کہہ دیتے ہیں کہ آجکل علماء ایسے ہی ہیں اور چناں و چنیں ہیں، ہم علماء کی مانتے ہی نہیں، وہ اپنے کو زیادہ مشکلات میں پھنسا رہے ہیں کہ اگر واقعی ان کو علماء پر اعتماد نہیں ہے تو ان کو اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے کہ دین کا علم خود سیکھیں تاکہ شریعت کے موافق احکام پر عمل کر سکیں۔ اللہ جل شانہ کے یہاں اس کی کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ دنیوی وجاہت کے لئے اتنی اتنی ڈگریاں حاصل کی تھیں یا بینک میں جمع کرنے کے لئے اتنا اتنا مال کمایا۔ وہاں جس قدر وقعت اور پوچھ ہے وہ صرف دین کی ہے اور اسی کے لئے ہماری پیدائش ہے۔ قرآن پاک کا قطعی فیصلہ ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ. (سورۂ حجرات ع ۳)

میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔ نہ میرا مقصود ان سے یہ ہے کہ وہ (مخلوق کو) روزی دیا کریں نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والے ہیں اور قوت والے نہایت قوت والے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہے: **وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى.** (سورۂ طٰہٰ ع ۸) "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم

کیجئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیئے۔ ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے۔ روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔"

میں روپیہ جمع کرنے کو نہیں روکتا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ ہم لوگوں کی پیدائش صرف دین کے لئے ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے ہے۔ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہماری کم ظرفی ناصبری کی وجہ سے ہے اور غیر مقصود ہے۔ اس لئے مقصود اور غیر مقصود میں فرق ہونا تو ضرور چاہیئے نہ یہ کہ آجکل کے رواج کے موافق داڑھی سے مونچھ بڑھ جائے۔ اس لئے میں تم کو ایک خاص وصیت اور نصیحت کرتا ہوں کہ جب رات کو سب مشاغل سے نمٹ کر سونے لیٹا کرو تو تھوڑی دیر یہ غور کرلیا کرو کہ آج کے تمام دن میں کتنا وقت عبادت اور دین میں خرچ کیا جو اصل مقصود تھا اور کتنا وقت دنیا کے لغو دھندوں میں خرچ کیا اور پھر دونوں وقتوں کا موازنہ کیا کرو کہ دونوں میں کیا نسبت ہے۔ اگر دینی مشاغل کا وقت دنیوی مشاغل سے بڑھے نہیں تو کم ازکم برابر تو ہونا چاہیئے۔ اور جب دین اصلی غرض، اصلی مقصد ہے تو اس کی جتنی ضروریات ہوں گی، وہ مقصود ہی کے حکم میں ہوں گی۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر شخص پر جتنے علم کا وہ اپنے دین کے تحفظ میں محتاج ہے، اتنا سیکھنا فرض ہے۔ (درمختار)

علم کی وہ مقدار جس کا سیکھنا ضروری ہے

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ منجملہ اسلام کے فرائض کے علم کی اس مقدار کا سیکھنا بھی فرض ہے جس کا وہ اپنے دین کی حفاظت اور بقاء میں محتاج ہے۔ لہٰذا ہر مکلف پر اصولِ دین کے سیکھنے کے بعد وضو غسل نماز روزہ کے احکام سیکھنا فرض ہے اور جو مالدار ہو، اس کو زکوٰۃ کے مسائل کا سیکھنا بھی فرض ہے اور جس کے پاس کچھ مال زیادہ ہو، اس کو حج کے احکام کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور جو تجارتی مشغلہ رکھتا ہو، اس کو بیع وشرا (خرید وفروخت) کے مسائل کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح سے ہر وہ شخص جو کسی پیشہ کو اختیار کئے ہوئے ہو، اس پیشہ کے مسائل کا سیکھنا اس پر ضروری ہے۔

تبیین المحارم میں لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدمی کے لئے اسلام

کے پانچوں ارکان کا سیکھنا ضروری ہے اور اخلاص کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کی صحت اس پر موقوف ہے اور حلال وحرام کا جاننا بھی ضروری ہے اور ریاکاری کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ آدمی ریاکاری کی وجہ سے اپنے اعمال کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے۔ نیز حسد اور خود بینی کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں نیک اعمال کو اس طرح کھا لیتی ہیں جیسا آگ ایندھن کو کھاتی ہے اور خرید وفروخت، نکاح وطلاق کے مسائل کا جاننا بھی اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو ان چیزوں سے سابقہ پڑتا ہو۔ نیز ایسے الفاظ کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا استعمال حرام ہے یا کفر تک پہنچا دینے والا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس چیز کا سیکھنا بہت ہی مہتم بالشان (ضروری اور اہم) ہے۔ اس لئے کہ عوام کفریہ الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ دیا (شامی) اور جب ان سب چیزوں کو معلوم کرنا اور سیکھنا ضروری ہے تو اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے کہ یا آدمی ان سب کو خود حاصل کرے کہ یہ اصل ہے۔ لیکن اگر یہ حاصل نہ ہوسکتا ہو تو پھر کسی معتبر اور معتمد دیندار عالم کا دامن پکڑ لے اور ہر بات میں اس کے مشورہ کو اس کی رائے کو اصل قرار دے کر اس کا اتباع کرے اور جو شخص دونوں باتوں میں سے کوئی چیز اختیار نہ کرے گا، اس کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، کہ قوانین سے جہل کسی جگہ بھی عذر نہیں تو قانون شریعت سے جہل کیا معتبر ہوسکتا ہے۔ اور بغیر علم کے رائے زنی گمراہی کے سوا اور کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُقْبَضُ الْعِلْمُ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ لٰكِنْ يُّقْبِضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ سینوں سے کھینچ لیں، بلکہ علم اس طرح اٹھے گا کہ علماء کا انتقال ہوتا رہے گا (اور دوسرے لوگ علم حاصل نہ کریں گے) جب علماء نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ وہ بغیر علم کے فتاویٰ جاری کریں گے جن سے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ

کریں گے۔"

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ کوئی بھی کام بغیر سیکھے نہیں آتا اور علم کے متعلق تو متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے (انما العلم بالتعلم) کہ علم سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں بھی۔

سوال نمبر ۷: علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے

مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت اور موجب سہولت ہے

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ میرا تو خیال ہے کہ علماء کا اختلاف اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تو حدیث کے اسباق میں بھی اپنے اس خیال کا متعدد بار اظہار کیا کہ جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مل جاتا ہے، مجھے اس میں بڑی سہولت معلوم ہوتی ہے کہ فی الجملہ عمل کی کچھ گنجائش مل گئی جو حسبِ قواعدِ شرعیہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اور جس مسئلہ میں اختلاف نہیں ملتا حق اسی میں منحصر ہوگیا۔ اس لئے کہ امت محمدیہ کا اجتماع ضلالت پر نہیں ہوسکتا۔ علمائے امت نے اس خیرُ الامم کی خصوصیات میں اس چیز کو شمار کیا ہے کہ گمراہی پر اس کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ جس چیز پر بھی علمائے امت کا اجماع ہوگا، وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہی ہوگی۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میری امت کا اجتماع ضلالت (گمراہی) پر نہیں ہوسکتا۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ شانہ سے یہ دعا کی کہ میری امت کا ضلالت پر اجتماع نہ ہو۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس کو قبول فرمالیا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے تم کو تین چیزوں سے محفوظ فرما دیا۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ تمہارا اجتماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ اجتماع عام ہے کہ اقوال میں ہو یا افعال میں یا اعتقاد میں امور شرعیہ میں ہو یا لغویہ میں اھ۔

ایسی حالت میں تم ہی سوچو کہ جو روشن خیال اپنی روشن خیالی میں کوئی ایسی بات شریعت میں پیدا کر دیتے ہیں جو اسلاف میں کسی کا قول بھی نہ ہو بلکہ ان سب کا اجتماع

اس کے خلاف پر ہو چکا ہو، وہ سراسر گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے بالمقابل جس امر میں اہل حق کا اختلاف رہ چکا ہو، اس میں فی الجملہ وسعت و سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کا لقب عمر ثانی ہے اور ان کی خلافت خلافتِ راشدہ کے گویا برابر سمجھی جاتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: مَا سَرَّنِیْ لَوْ اَنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یَخْتَلِفُوْا لِاَنَّهُمْ لَوْ لَمْ یَخْتَلِفُوْا لَمْ تَكُنْ رُخْصَةٌ. (مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہ ہوتا۔ اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی۔ (زرقانی علی المواہب) دارمی نے بھی اس قسم کا مقولہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی سلطنت میں یہ احکام بھیج دیئے کہ ہر قوم اس کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو۔ عون بن عبداللہ تابعی جو بڑے قراء اور بڑے عابدین میں ہیں کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر مجتمع ہوں اور پھر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو وہ تارک سنت ہے اور اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے اقوال میں سے کسی پر عمل کرلے تو وہ حدود سنت سے نہیں نکلتا۔ (دارمی)

عبداللہ بن مبارک جو جلیل القدر امام ہیں کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماعی قول کے مقابلہ میں۔ ہاں جس چیز میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہے اس میں ہم اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہوگی۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے باہر نہیں جائیں گے۔ (مقدمہ اوجز) درمختار اور شامی میں لکھا ہے کہ مجتہدین کا اختلاف رحمت ہے اور جتنا بھی اختلاف زیادہ ہوگا رحمت زیادہ ہوگی۔ اور مَیں پوچھتا ہوں کہ علماء کا اختلاف کب نہیں ہوا۔ کونسا دور کونسا وقت ابتدائے اسلام بلکہ ابتدائے عالم سے ایسا گزرا ہے جس میں علماء کا اور اہل حق کا اختلاف نہیں ہوا۔ خود حق جل وعلا نے سارے ہی انبیاء علیہم السلام پر کیا ایک ہی دین اتارا۔ اصولِ دین میں اتحاد رہا اور فروع میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ کیا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے متعدد فیصلوں میں

اختلاف نہیں ہوا اور باوجود اس اختلاف کے حق تعالیٰ شانہ نے دونوں کی مدح نہیں فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَ كُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا (سورۂ انبیاء ع٦) (ہم نے اس کھیت والے مقدمہ کو جس کا اوپر سے ذکر ہو رہا ہے) سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو (حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو) حکمت اور علم عطا فرمایا تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلافِ شرع نہ تھا) (بیان القرآن) اس کے علاوہ سنو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں۔ ایک سختی کا حکم کرتے ہیں دوسرے نرمی کا اور دونوں صواب پر ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے میکائیل علیہ السلام اور دو نبی ہیں۔ ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں دوسرے سختی کا اور دونوں صواب پر ہیں۔ ایک ابراہیم علیہ السلام دوسرے نوح علیہ السلام اور میرے دو ساتھی ہیں۔ ایک نرمی کا حکم کرتے ہیں اور دوسرے سختی کا (كذا فى الجامع الصغير برواية الطبرانى وابن عساكر عن ام سلمة ورقم له بالضعف لكن قال العزيزى باسناد صحيح تشرف) ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

اس کلیہ کے تحت میں علمائے امت اور صوفیۂ ملت، نیز ہر دور کے اکابر کا بیشتر و اکثر امور میں اختلاف رہا ہے کہ طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے بہت سے اُمور میں ایک عالم باعمل محقق کی رائے سختی کی طرف مائل ہوئی۔ اس نے بہت سے اُمور میں سخت گیری کو ضروری سمجھا۔ دوسرے نے نرمی کو ضروری سمجھا۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف

چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرات شیخین کا اختلاف اسی شدت و نرمی کے رنگ کا اثر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بدر کے قیدی لائے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ کی قوم ہیں، آپ کے قرابت دار ہیں، ان کو زندہ چھوڑ دیجئے۔ کیا بعید ہے کہ یہ توبہ کرلیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، ان کی گردنیں اُڑا دیجئے۔ لوگوں میں اختلاف تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل ہوگا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اندر تشریف لے گئے۔

پھر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ بعض لوگوں کے دل نرم فرما دیتے ہیں، حتیٰ کہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو سخت فرماتے ہیں، حتیٰ کہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے، جنہوں نے فرمایا: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (سورۂ ابراہیم ع ٦) جو میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور اس کی مغفرت کا وعدہ ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے تو آپ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں۔ اور تمہاری مثال (اے ابوبکر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے، جنہوں نے فرمایا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم. (سورۂ مائدہ ع ١٦) اگر آپ ان کو سزا دیں (جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندے کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ معاف فرما دیں (تب بھی مختار ہیں کہ) آپ قدرت والے حکمت والے ہیں۔ اور عمر تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے، جنہوں نے فرمایا: رَبِّ لاَ تَذَرْعَلَی الاَرْضِ مِنَ الکَافِرِیْنَ دَیَّارًا. (سورۂ نوح ع ٢) اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی نہ چھوڑ (کیونکہ اگر آپ ان کو چھوڑ دیں گے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے) اور عمر! تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلیٰ اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ فَلاَ یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الاَلِیْمَ. (سورۂ یونس ع ٩) اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو نیست نابود (اور ملیامیٹ) کر دیجئے اور ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کر دیجئے (جس سے ہلاکت کے جلد مستحق ہو جائیں) پس وہ ایمان نہ لائیں (بلکہ اپنے کفر میں بڑھتے رہیں (یہاں تک کہ دُکھ دینے والے عذاب کو دیکھیں۔ (در بروایۃ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ وغیرہما)

اسی طرح حضرات شیخین میں اور بھی امور میں اختلاف ہوا۔ مانعین زکوۃ سے قتال میں اختلاف ہوا اور پھر قتال کے بعد ان لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل وعیال کو باندی اور غلام بنانے میں اختلاف ہوا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی میں اختلاف ہوا۔ بالآخر حضرت صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے معزول نہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی معزول کردیا۔ جمع قرآن پر اختلاف ہوا۔ دادے کی میراث میں اختلاف ہوا۔ اس چور کے بارے میں اختلاف ہوا جو تیسری مرتبہ چوری کرے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بایاں ہاتھ کاٹا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں بایاں ہاتھ کاٹنے سے انکار کردیا۔ اُمّ ولد کی بیع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ غرض بیسیوں مسائل فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں ان جلیل القدر خلفاء اور امت کے سرداروں میں اختلاف تھا۔ تفاصیل کے لئے بڑے دفتر کی ضرورت ہے اور ایک خط میں سب کا ذکر مشکل ہے۔ اسی طرح اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بہت سے مسائل میں مشہور و معروف اختلافات ہیں۔

ابو جعفر منصور نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ ایک کتاب ایسی تصنیف کر دیجئے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیاں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سی سہولتیں نہ ہوں۔ (مقدمہ اوجز) جس سے معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کی طرح ان دونوں حضرات میں سختی اور نرمی کے اعتبار سے کُلی اختلاف تھا۔ بالجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت کثرت سے مسائل میں اختلاف رہا۔ ترمذی شریف پڑھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اغلام کی سزا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک اس آبادی میں جو سب سے اونچا مکان ہو اس پر سے اوندھے منہ گرایا جائے اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک قتل کردیا جائے۔

شرمگاہ کے چھونے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ سمندر کے پانی سے وضوء کرنا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک مکروہ ہے۔ جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک واجب ہے۔ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا سختی سے انکار کرتی ہیں۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف تھا کہ رمضان کے روزوں کی قضا کا لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ رکھنا بھی جائز ہے۔ ایک بڑی جماعت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان میں حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ پہنچوں تک کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے سے گدھا گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔ اگر صرف دو مقتدی ہوں تو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی تین رکعتوں کے درمیان سلام پھیرتے ہیں (یعنی دو۲ رکعت علیحدہ اور ایک رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں)۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تینوں رکعتوں کو ملا کر پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ فقیہ تھے۔ (حاشیہ بخاری)

غرض سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسئلے فقہی اور سیاسی ایسے ہیں جن میں صحابہؓ اور تابعینؒ کا اختلاف تو بارہ سو برس سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ ہر امام کے لاکھوں کروڑوں مقلد اسی اختلاف پر عمل کرتے چلے آئے۔ چار رکعت نماز میں علماء کے اختلافات ایک مرتبہ تلاش کرنے شروع کئے تھے۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ مسئلے مختلف فیہ مجھ جیسے کوتاہ نظر کو ملے تھے۔ وسیع النظر لوگوں کے علم میں نہ معلوم کتنے ہوں گے۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت مبارک ہے جس میں جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے، اہل علم کے اس کے تعین میں تقریباً پچاس قول ہیں کہ وہ کب ہوتی ہے۔ (اوجز) لیلۃ القدر کے تعین میں بھی تقریباً پچاس قول علماء کے ہیں۔ (اوجز) قرآن پاک کی آیت میں تمام نمازوں کے اہتمام کا عموماً اور درمیانی کے اہتمام کا خصوصی حکم ہے۔ علماء کے اس

درمیانی نماز کے تعین میں بائیس قول ہیں۔ اسی طرح بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ایک دو قولوں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ کئی کئی مذہب علماء کے ان میں ہوتے ہیں اور ہوتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ سب ہی فتنہ تھا اور ہے۔ کیا ان اختلافات کی وجہ سے اُمت مصیبت میں گرفتار ہوگی یا ان کو سہولت نصیب ہوئی۔ قدردانوں کی رائے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس سے کتنی مسرت تھی۔ ابوجعفر منصور بادشاہ جب حج کو گئے تو انہوں نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اپنی تصانیف کے متعدد نسخے لکھ دیں، میں ان کو سلطنت میں شائع کردوں گا اور حکم دے دوں گا کہ سب اس کے موافق عمل کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں۔ حضرت امام مالکؒ نے اس ارادہ سے روکا اور فرمایا کہ لوگوں کے پاس مختلف روایاتِ حدیث پہنچی ہوئی ہیں اور ہر جماعت نے ان روایات کے موافق عملدرآمد کر رکھا ہے۔ اس لئے ان کو ان کے مذاہب کے موافق چھوڑا جائے۔ اس کے بعد امیرالمومنین ہارون رشید نے اپنے زمانہ سلطنت میں حضرت امام مالکؒ سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں رکھ دیا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ سب اس کے موافق عمل کریں۔ حضرت امامؒ نے اس مشورہ کو بھی قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں۔ شہروں میں وہ مسائل شائع ہیں۔ لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں۔ ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا۔ (مقدمہ اوجز)

حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف مشہور ومعروف ہے اور سینکڑوں ہزاروں مسئلوں میں اختلاف ہے۔ لیکن امام شافعی صاحبؒ کا ارشاد ہے: جو فقیہ بننا چاہے، اس کو چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کو چمٹ جائے۔ میں خود امام محمدؒ کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں۔ (درمختار) امام اعظم نے اپنے شاگردوں سے خود فرمایا کہ جہاں کہیں میرے قول کے خلاف تمہیں کوئی دلیل مل جائے، اس کو اختیار کرلو۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا یہ ارشاد اسی پر مبنی ہے کہ (علماء کا) اختلاف رحمت کے آثار سے ہے۔ جتنا اختلاف ہوگا (بشرطیکہ) وہ قواعد کے موافق ہو، اصول کے تحت میں ہو) اتنی ہی رحمت زیادہ ہوگی۔ (شامی)

ان حضرات کو اختلاف میں ذرا بھی اشکال پیش نہیں آتا تھا۔ اس سب کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ جن چیزوں میں علماء میں اختلاف نہیں ہے انہیں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ نماز کے پڑھنے میں کسی عالم کا اختلاف ہے؟ داڑھی، شراب، سود غرض ہزاروں مسئلے ایسے ہیں جن میں ذرا بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے۔ ان کا حشر تم خود دیکھ رہے ہو۔ اب غور سے سنو۔ میرے خیالِ ناقص و نارسا میں ان روز افزوں نزاعات کی اکثر و بیشتر دو وجہیں ہیں۔ ایک بعض علماء کی طرف سے ہے، دوسری اکثر عوام کی طرف سے۔ علماء کی طرف سے تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان جزوی اختلافات کو علماء تک محدود نہیں رکھتے بلکہ بعض تو اس کی سعی کرتے ہیں کہ عوام کی مدد اور اعانت ان کے ساتھ ہو اور ان کی اعانت سے وہ دوسرے اہل حق کی توہین و تذلیل کریں۔ حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اس کو بلاخوف لومۃ لائم ظاہر کر دیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ ان کے قول پر کوئی عمل کرتا ہے یا نہیں۔ کسی کے عمل کرنے سے اہل حق کی حقانیت میں کیا فرق آتا ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام بھی ایسے تھے جن پر ایمان لانے والا، ان کے کہنے پر عمل کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ (مشکوٰۃ) تو کیا اس کی وجہ سے نبی کی شان میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تحقیق جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف یہ تھی کہ مال کا جمع کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ وہ ہر مجمع میں اپنی تحقیق کا اعلان کر دیتے تھے اور اس کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے کہ کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ عوام ان کے اختلافات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو ایسی حالت میں ان پر ان چیزوں کا یا اظہار نہ ہوتا، جہاں علماء کا مجمع ہوتا وہاں ظاہر کی جاتیں یا اگر بضرورت تبلیغ اور بخوفِ کتمانِ علم (علم چھپانے کے خوف سے) اظہار کیا جاتا تو جب عوام کی عقول ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں تو ان پر اس کا زور نہ دیا جاتا کہ وہ خواہ مخواہ ان کے ہم نوا بنیں۔ یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ جب دوسرے اہل حق اس میں خلاف کر رہے ہیں تو عوام کے لئے عمل کی گنجائش ہے نہ یہ کہ دوسرے اہل حق کے خلاف عوام کو مشتعل کریں (اُبھاریں) جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کے متبعین ان کے خلاف مشتعل ہوں گے اور اس کا جو حشر ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے۔

ہمارے اکابر و اسلاف کا اسوہ اس چیز میں بھی ہمارے سامنے ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا

عام معمول وتر کی تین رکعت پڑھنے کا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر کی پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولا کریب نے دیکھا۔ تعجب سے حضرت ابن عباسؓ سے کہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ان سے تعرض نہ کرو، وہ خود فقیہ ہیں۔ (بخاری)
حضرت عبداللہ بن مسعود اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول سفر میں دو رکعت فرض نماز پڑھنے کا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں (حالانکہ وہ مسافر تھے) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ میں نے منیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خلافت کے شروع زمانہ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ (بخاری) لیکن اس سب کے باوجود ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چار رکعت پڑھنے کا اعتراض کیا تھا، پھر خود بھی چار پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مخالفت زیادہ سخت ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسافر تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے کو مقیم تجویز کر کے چار رکعت پڑھیں۔ اور چونکہ مجتہد محقق تھے اس لئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی تحقیق کو ایک محقق کے مقابلہ میں واجب العمل نہیں سمجھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ ولی عہد بنائیں گے۔ انہوں نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو میرے لئے گنجائش ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو (نصًا) خلیفہ نہیں بنایا۔ اور اگر خلیفہ بنادوں تب بھی گنجائش ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کے بعد ان کے اموال غنیمت تھے اور ان کے اہل و عیال غلام باندیاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں اختلاف تھا۔ صدیقی دور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر عمل رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول کیا۔ فاروقی دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر عمل تھا اور دوسرے لوگوں نے اس پر عمل کیا۔ (فتح الباری)

حضرت امام شافعیؒ صاحب کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔
ایک مرتبہ امام اعظمؒ کی قبر پر حاضر ہوئے اور صبح کی نماز وہاں پڑھی اور دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ بعض روایت میں ہے کہ بسم اللہ بھی آواز سے نہیں پڑھی (حالانکہ وہ بھی ان کے نزدیک سنت ہے)۔ کسی نے استفسار کیا تو فرمایا کہ اس قبر والے کے ادب نے روک دیا۔ بعض لوگ اس قصہ پر بہت شور کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کی وجہ سے سنت پر عمل چھوڑ دیا جائے۔ امام شافعیؒ کی شان اس سے ارفع ہے کہ ایک مجتہد کی قبر کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دیں۔ حالانکہ اس چیز کا تعلق سمجھ سے ہے۔ امام اعظمؒ کے ادب سے سنت کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کے ادب سے ان کی تحقیق کو اپنی تحقیق پر مقدم سمجھا کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں سنت نہیں ہیں بلکہ سنت قنوت کا نہ پڑھنا ہے اور بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا ہے۔ ایک شخص اپنی تحقیق سے کسی چیز کو سنت سمجھنے کے باوجود دوسرے محقق عالم کی تحقیق پر عمل کر لے تو کیا حرج ہے۔
محققین شافعیہ اس قصہ کو قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ باوجود محقق شافعی ہونے کے لکھتے ہیں کہ لوگوں نے اس قصہ میں اشکال سمجھ لیا، حالانکہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات سنت کے ساتھ ایسی چیز معارض ہوجاتی ہے جو اس سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مثلاً علماء کی رفعت شان کا اظہار کہ وہ امر مؤکد ہے۔ بالخصوص حاسدوں اور جاہلوں کے مقابلہ میں بالخصوص ایسی حالت میں کہ یہ امر متفق علیہ ہے اور قنوت اور بسم اللہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بالخصوص امام اعظمؒ کے معاملہ میں کہ ان کے حاسد بہت زیادہ تھے جو غلط الزامات ان پر لگاتے تھے، حتیٰ کہ جھوٹے الزام سے ان کی زندگی کو ختم کرادیا گیا۔ ایسی حالت میں ان کی تعظیم و تکریم کا اظہار ازبس ضروری تھا وغیرہ وغیرہ (مقدمہ اوجز)

حضرت سہارنپوری اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا چند مسائل میں اختلاف اور طرزِ عمل

ہمارے مشائخ واکابر میں ہمیشہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف ہوتا آیا ہے لیکن کبھی بھی ان حضرات نے اپنے متبعین پر اس کا جبر نہیں کیا کہ ہمارے قول پر عمل

کیوں نہیں کرتے۔ میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور میرے والد صاحبؒ میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا اور حضرت بعض لوگوں کو خود فرمادیتے تھے کہ میرے نزدیک تو فلاں چیز جائز نہیں لیکن مولوی محمد یحییٰ صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لے، اس کے موافق عمل کرلے۔

خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت کے اخیر رمضان المبارک میں شعبان کے چاند کی گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے، تیس ۳۰ روزے پورے ہوجانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں۔ حضرتِ کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی اس لئے روزہ ہے، اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ شرعی حجت سے صحیح تھی، اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی۔ شام کو چاند نظر نہ آیا۔ حضرت نے طے فرمایا کہ میں روزہ رکھوں گا۔ میں نے عرض کیا: میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آ گیا ہو تو رکھو ورنہ نہیں۔ بالآخر حضرت کا روزہ تھا اور میرا افطار۔ حضرت کے خدام میں اور بھی متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا۔ حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا۔ گو مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرت کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابلِ اعتنا سمجھا۔ مگر حضرت نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ کچھ تصویب ہی فرمائی۔

دوسری وجہ جو اس پہلی وجہ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ عوام نے مسائل میں رائے زنی کو خواہ مخواہ اپنا مشغلہ بنالیا۔ ان کو اہل علم کے اختلاف میں حکم بننے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے علمی ابحاث، ان کے علمی دلائل سمجھنے کی اہلیت نہیں لیکن ان میں محاکمہ اور فیصلے یہ حضرات فرمانے لگے۔ حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ علمائے حق میں سے جس کے ساتھ حسنِ عقیدت ہو، تجربہ سے اس کا دیندار، تجربہ کار ہونا اور اللہ والا ہونا ثابت ہوچکا ہو، اس کا اتباع کرتے۔ لیکن یہ تو جب ہوتا جب عمل مقصود ہوتا۔ یہاں مقصود ہی نزاع (لڑائی جھگڑا) ہے۔ اُس جلسہ اور اُس تقریر میں ان کو لطف ہی نہیں آتا جس میں دوسروں پر سب وشتم نہ ہو، دوسروں پر تنقید نہ ہو، دوسروں کی پگڑیاں نہ اچھالی

جاتی ہوں۔ جس جلسہ میں سیدھی سیدھی دین کی باتیں بیان کی جائیں، وہ جلسہ نہایت پھیکا اور بے مزہ ہے۔ وہ وعظ ہی نہیں، تقریر جانتا ہی نہیں۔ ماہر تقریر وہی ہے جو مخالفین کو کھری کھری سنائے۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں قرآن حدیث میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہتمام سے روکا گیا ہے وہ آپس کا جھگڑا ہے۔ قرآن میں سختی سے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے: وَ لاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (سورۂ انفال ع٦) اور آپس میں نزاع پیدا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے (کہ قومیں منتشر ہو جائیں گی) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی چند مثالیں

بخاری شریف میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف تھی جس طرح کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے صحیح پڑھا۔ تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ پہلے لوگوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تھا تو وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ یہاں آپس میں قرأت میں اختلاف ضرور تھا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی۔ گویا وہ اختلاف باقی بھی رکھا جو پہلے سے تھا لیکن پھر بھی اختلاف کی ممانعت فرمائی اور اس کو ہلاکت کا سبب قرار دیا تو یقیناً اس سے مراد وہی اختلاف تھا جو جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوا۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام کو سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ اس کے خلاف پڑھ رہے تھے جس طرح مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے دل میں آیا کہ ان کو نماز پڑھتے ہوئے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں مگر میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ نماز پڑھ چکیں۔ اس کے بعد میں نے ان کے گلے پر سے چادر پکڑ کر پوچھا کہ اس طرح یہ سورت تم کو کس نے پڑھائی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام لیا۔ میں نے کہا: جھوٹ ہے۔ پھر میں ان کو اسی طرح پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور جا کر عرض کیا کہ یہ اس کے خلاف پڑھ

رہے تھے جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کا پڑھنا سنا اور دونوں کو صحیح بتایا۔ (درمنثور بروایۃ الشیخین وغیرہما)

ان کے علاوہ سینکڑوں واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں جہاں آپس میں اختلاف ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو صحیح فرما دیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اپنی تحقیق کے خلاف کوئی بات پائی تو اس کا اظہار بھی نہ کرے۔ اگر وہ اہل تحقیق ہے یا اہل علم ہے، اس کی اہلیت رکھتا ہے تو ضرور مناسب طریقہ سے اس کا اظہار کیا جائے۔ اسی سورۃ کے بارہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورۂ فرقان پڑھ رہے تھے کہ ایک آیت چھوٹ گئی۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ جماعت میں ابی بن کعب (جو بڑے مشہور قاری تھے) موجود نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: حاضر ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے مجھے متنبہ کیوں نہ کیا؟ انہوں نے معذرت کی کہ میں یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ (دُر بروَایۃِ ابنِ الانباری)

ابوداؤد شریف میں دو قصے اسی نوع کے مذکور ہیں۔ تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے تنبیہ کا حکم فرمایا تو دوسروں کو تنبیہ میں کیا مضائقہ ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے تو اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ کلمۂ حق کو ظالم بادشاہ کے سامنے اظہار کردینے کو افضل الجہاد قرار دیا ہے اور لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ "اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں" کلیہ قرار دے دیا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مقصود اللہ کی اطاعت ہو، کلمۂ حق کا اظہار ہو، اپنی جماعت کی بے جا حمایت نہ ہو، جس کو عصبیت اور تعصب کہا ہے۔ اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ قواعد کے تحت میں ہو تو ممدوح ہے۔ اس اختلاف کو نزاع بنا لینا اس کو مسلمانوں کے تشتت اور افتراق کا سبب بنا لینا مذموم ہے اور دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ ہم لوگ اس اختلاف کو جو خوبی کی چیز تھی اپنے لئے خود مصیبت اور سببِ ہلاکت بنا رہے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کے ساتھ دو گروہ کا الگ الگ طرزِ عمل

حضرت حسن بصریؒ جلیل القدر تابعی اور مشہور فقہاء اور اکابر صوفیہ میں ہیں۔

بعض مرتبہ تحقیق کے زور میں تقدیر کے مسئلہ میں ایسے الفاظ نکل گئے جو جمہور علماء کے خلاف تھے۔ بڑا شور مچا، بڑے زور بندھے۔ پھر کیا تھا، جھوٹی باتیں بھی ان کی طرف منسوب ہونے لگیں۔ ایوب کہتے ہیں کہ دو قسم کے آدمیوں نے حضرت حسنؒ پر جھوٹ باندھا۔ ایک وہ لوگ کہ فرقہ قدریہ میں تھے۔ وہ اپنی رائے کو رواج دینا چاہتے تھے تو حسن بصریؒ کو اپنا ہم مسلک ظاہر کرتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ جن کو ان سے ذاتی بغض تھا۔ وہ ان کے اقوال کو پھیلاتے تھے۔ (ابوداؤد)

بعینہٖ یہی مثال ہمارے زمانہ میں ہے کہ جن لوگوں کو اپنی رائے کو رائج کرنا ہوتا ہے، وہ جماعت کے بڑے کی طرف اس کو منسوب کر دیتے ہیں اور جن لوگوں کو ان سے خلاف ہوتا ہے وہ ان اقوال کو جا و بے جا جھوٹ نقل کرتے ہیں، جس سے جھگڑے اور مخالفت کی خلیج وسیع ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ اتباع کا منصب یہ تھا کہ علمائے حق میں جس سے عقیدت ہو، اس کا عالم باعمل ہونا محقق ہو جائے اس کے ارشادات پر عمل ہو، لیکن ہم لوگوں میں باوجود ادعائے محبت و عقیدت عمل تو ندارد ہے، ساری محبت کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے بڑے کی حمایت میں دوسروں کے بڑوں کو گالیاں دیں۔ کلام اللہ شریف، جس کی تعلیم مسلمان کا ایمان ہے، وہ تو اس بارے میں اتنا سخت کہ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ (سورۂ انعام ع ۱۳) ارشاد ہے کہ "تم گالیاں نہ دو ان (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (اور عبادت کرتے ہیں کیونکہ تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔" قرآن پاک تو دوسروں کے بتوں کو گالیاں دینے کی بھی ممانعت کرتا ہے لیکن اس کے اتباع کے دعویداروں کا یہ عمل کہ ان کا کوئی جلسہ کوئی جلوس بھی دوسروں کی بربادی کے نعروں سے، ان کے اکابر پر سب و شتم سے خالی نہیں ہوتا۔ آج کل ہر جماعت کا معظم عمل بجائے اپنی تعمیر، اپنی تقویت اور عمل کی تدابیر کے دوسروں کی تخریب، ان کو گالیاں دینا، مردہ باد کے نعرے لگانا بن گیا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس کی شکایت بھی ہر فریق کو ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے، برباد ہو گئے۔ خود ہی ہر فریق دوسرے مسلمانوں کی بربادی کی دعائیں کرتا ہے اور خود ہی اس کا رونا روتا ہے کہ مسلمان برباد ہو گئے۔ فاللہ المستعان۔

اختلاف کی ہر نوع مذموم نہیں

تنبیہ: اس تقریر سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ہر اختلاف مذموم نہیں بلکہ بہت سے اختلافات ممدوح بھی ہیں۔ البتہ بہت سی انواع اختلافات کی یقیناً مذموم اور قبیح ہیں۔ لہٰذا مطلق علماء کے اختلاف کو منشاء فساد قرار دینا اصول سے ناواقفیت ہے، بلکہ منشاء فساد علمائے حق کے ممدوح اختلاف میں نزاع کا پیدا کرنا ہے، خواہ وہ علماء کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے، جیسا کہ آج کل کثرت سے پیدا ہو رہا ہے۔ البتہ اختلاف ممدوح کی حقیقت قواعد سے واقفیت پر مبنی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ ہر شخص جس چیز میں چاہے اختلاف پیدا کردے اور وہ ممدوح بن جائے۔ ہر وہ چیز جو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے منصوص طور پر ثابت ہے، استنباط کو اس میں دخل نہیں، اس میں اختلاف کا پیدا کرنا گمراہی ہے جس کو اللہ جل جلالہ نے کلام پاک میں وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآئَهُمُ الْبَيِّنٰتُ (سورۂ آل عمران ع۱۱) سے ارشاد فرمایا ہے۔ ”اور نہ بن جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے آپس میں تفریق پیدا کی اور (دین کے بارہ میں) اختلاف کیا، بعدازاں کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عصر کے بعد نفلیں پڑھ رہا ہے۔ اس شخص نے نماز کے بعد حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا اللہ جل شانہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب کرے گا؟ سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز پر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر عذاب فرمائے گا۔ (دارمی)

اس شخص کا مقصود یہ تھا کہ نماز تو بہترین اور افضل ترین عبادت ہے۔ اس میں کیا ناجائز ہوسکتا ہے؟ لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نفل نماز کو ناجائز فرما دیا ہے، اس لئے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز اگرچہ بہترین چیز ہے لیکن ناجائز وقت میں پڑھنا تو گناہ کا ہی سبب ہے۔ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درم (چاندی کا ایک سکہ) کے بدلہ میں دو۲ درم لینے سے منع کیا ہے۔ ایک شخص وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا: میرے خیال میں تو اس میں کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

منع کیا ہے اور تُو کہتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ خدا کی قسم میں تیرے ساتھ کبھی بھی ایک مکان میں مجتمع نہیں ہوسکتا۔ (دارمی)

تمام علماء محدثین نے سلفاً خلفاً اس کی تصریح کی ہے کہ جو چیز اسلام میں قطعیت کے ساتھ ثابت ہوچکی ہے اس کا انکار کفر ہے۔ قاضی عیاضؒ نے شفا میں اور ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے اس شخص کے کفر پر جو مسلمان کے قتل کو جائز سمجھے یا شراب پینے کو یا زنا کرنے کو، یا کسی ایسی چیز کا انکار کردے جس کا دین ہونا بالتواتر والبداہۃ ثابت ہے۔ ہاں کوئی نومسلم ہو کہ اس کو ابھی تک سارے احکام معلوم نہ ہوئے ہوں تو معذور ہے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں تحریر فرمایا ہے کہ بادشاہ کے خلاف بغاوت تین وجہ سے کی جاسکتی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ خدانخواستہ ضروریاتِ دین کے انکار کی وجہ سے کافر ہوجائے۔ اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت واجب ہے اور یہ افضل ترین انواع جہاد ہے۔ اسی طرح سے ہر وہ چیز جو اختلاف کی حدود سے خارج ہے اس میں اختلاف پیدا کرنا ضلال ہے، گمراہی ہے۔

عقائد میں اختلاف گمراہی ہے

علامہ زرقانیؒ شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا اختلاف ان چیزوں میں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے، رحمت ہے، بہت بڑی نعمت ہے، بڑی عظیم فضیلت ہے، امت پر وسعت ہے اور یہ سب اقوال ایسے ہوں گے جیسے کہ مختلف شریعتیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب مجموعہ لے کر تشریف لائے۔ لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے علماء نے جو استنباطات (مسائل نکالنا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے کئے ہیں وہ سب اپنے اختلاف کے باوجود بمنزلہ مختلف شرائع کے ہیں اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں داخل ہے۔ لیکن عقائد میں اجتہاد کرنا گمراہی ہے اور حق وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ حدیث میں جس اختلاف کی تعریف ہے، اس سے فرعی احکام کا اختلاف مراد ہے اور جس تفریق کی ممانعت وارد ہوئی اس سے اصول کی تفریق مراد ہے۔ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ

اصول کا اختلاف گمراہی ہے اور ہر فساد کا ذریعہ ہے اھ۔

مثال کے طور پر دیکھئے کہ تقدیر کا مسئلہ اصول مسائل میں ہے۔ شریعت نے اس میں بحث کرنے کی بھی ممانعت فرمادی ہے۔ اس میں اختلاف پیدا کرنے پر احادیث میں کس قدر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فرقہ قدریہ (تقدیر کے انکار کرنے والے لوگ) اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ لوگ بیمار ہوں تو عیادت بھی نہ کرو، مرجائیں تو جنازہ میں بھی شریک نہ ہو۔ (ابو داؤد)

دوسری حدیث میں ہے کہ اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے جو مرجائے، اس کے جنازہ کی نماز میں بھی شریک نہ ہو۔ جو بیمار پڑ جائے اس کی عیادت بھی نہ کر۔ وہ دجال کی جماعت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ان کو دجال کی جماعت کے ساتھ شریک کردیں گے۔ یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ میں اور حمید حج یا عمرہ کرنے جارہے تھے۔ ہمیں تمنا ہوئی کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی زیارت ہو تو ان سے قدریہ فرقہ کے بارہ میں سوال کریں۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ ہمارے نواح میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو علم میں بڑی تحقیقات کرتے ہیں، قرآن پاک بھی پڑھتے ہیں، مگر تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ان سے بری ہوں وہ مجھ سے بری ہیں۔ (ابوداؤد) اور کثرت سے اس قسم کی روایت ان کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوبکر فارسیؒ نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کی تہمت باندھے، وہ باجماع علماء کافر ہے۔ (فتح الباری)

بخاری شریف میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں زندیقیوں کی ایک جماعت لائی گئی۔ حضرت علیؓ نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہ جلاتا بلکہ قتل کرادیتا۔

متشابہاتِ قرآنیہ میں بحث اور قصہ صبیغ

متشابہات میں کلام کرنے کی ممانعت ہے۔ صبیغ بن عسل عراقی ایک شخص بصرہ میں رہتا تھا جو متشابہات قرآنیہ میں بحث کرتا تھا۔ مصر پہنچا، وہاں بھی مسلمانوں سے

اس میں بحث شروع کی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں عریضہ لکھا۔ انہوں نے اس کو طلب فرمایا۔ جب مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ تُو کون شخص ہے؟ اس نے کہا: اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں اور تر و تازہ لکڑیوں (قمچیوں) سے اس کو مارنا شروع کیا، حتیٰ کہ سارا بدن خون سے لبریز ہوگیا۔ پھر جب وہ زخم اچھے ہونے لگے تو دوبارہ مارنا شروع کیا، جس سے بدن اور سر پر خون ہی خون ہوگیا۔ اس نے عرض کیا: اگر آپ میرے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو سہولت سے قتل کر دیجئے، اور اگر میرے دماغ (کے سودا کا) علاج مقصود ہے تو میرے دماغ میں جو چیز تھی وہ نکل چکی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا اور بصرہ اپنے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ لیکن ایک حکم بھی بھیج دیا کہ کوئی شخص اس کے پاس نہ بیٹھے۔ ابو عثمان نہدیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر اگر ہم لوگ سو نفر کا مجمع ہوتا اور صبیغ آ جاتا تو سب اس جگہ سے چلے جاتے۔ اس کو یہ مصیبت بہت ہی شاق تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عریضہ لکھا کہ اب اس کی حالت درست ہوگئی ہے، وہ خیالات بالکل نہیں رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ (دارمی، درمنثور)

اسی طرح سینکڑوں واقعات اس قسم کے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شریعت میں اختلاف کے حدود قائم ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ تحقیق کے زور میں جس کا جو دل چاہے لکھ مارے اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے۔ شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا جائے، اللہ کے محبوب کی سنتوں کا مضحکہ کیا جائے۔ شریعت کے اہم سے اہم حکم کو لغو بتا دیا جائے۔ قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں ہو اور علم سے بے بہرہ، پھر جو چیز اپنی سمجھ میں نہ آئے وہی غلط بن جائے، وہی دین سے باہر کر دی جائے اور اس کو علماء کا اختلاف کہہ دیا جائے۔ شریعت کے احکام کے درجات ہیں۔ ان میں بہت سے احکام نہایت اہم ہیں۔ ان کو اپنے درجہ سے گرا دینے کا کسی کو حق نہیں۔ بعض معمولی درجہ کے ہیں۔ ان کو اپنے درجہ سے بڑھا دینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور اس کی تحقیق کہ ہر چیز کا کیا درجہ ہے، یہ خود علم پر موقوف ہے، قرآن و حدیث کے فہم پر موقوف ہے، قرآن و

حدیث سے استدلال کے قواعد پر موقوف ہے۔ جو مستقل تین فن اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر کی واقفیت پر مبنی ہے[1]

اجتہاد کے لئے کیا کیا علوم ضروری ہیں

فقہاء نے لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے کتاب اللہ کا علم ضروری ہے۔ اس کے لغوی معانی کا علم ضروری ہے۔ اس کے شرعی معانی کا علم ضروری ہے۔ اس کے وجوہ استدلال یعنی خاص، عام، مشترک، مؤوّل، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، حقیقۃ، مجاز، صریح، کنایہ، عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص اور ان کے ماخذ اشتقاق ان کی ترتیب، ان کے معانی اصطلاحیہ ان کے احکام کہ کونسی چیز قطعی ہے، کونسی ظنی ہے نیز امر و نہی وغیرہ کے درجات وغیرہ وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہی چیزیں حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ نیز احادیث میں ان کے علاوہ ان کی صحت کا حال ان کے آپس کے درجات راویوں کے احوال وغیرہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ الغرض استدلال کے لئے جتنے اصول ہیں، ان سب ہی سے واقفیت کی ضرورت ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ فن سے تو اہل فن ہی واقف ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص انجینئری میں بہت زیادہ کمال پیدا کرکے یہ چاہے کہ ڈاکٹری میں بھی رائے زنی کروں، کیونکہ میں اپنے فن کا بڑا ہوشیار ہوں تو یقیناً بیماروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب علماء نہ رہیں گے تو جاہلوں کو سردار بنا لیا جائے گا، جو بغیر علم کے فتاوٰی دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ مذہبیات (دین کی باتوں) میں رائے زنی کے لئے مذہبیات سے پوری واقفیت کی ضرورت ہے۔ بغیر واقفیت کے محض عقل سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر دو مسئلے لکھتا ہوں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہوجائے، اس کے بعد وہ دوسرا جانور اسی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی

---

[1] قرآن پاک کی تفسیر کے لئے پندرہ علوم کی مہارت ضروری ہے جس کو میں اپنے رسالہ چہل حدیث میں لکھ چکا ہوں۔ دل چاہے تو دیکھ لو۔

مل جائے۔ اگر یہ شخص غریب ہے، جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ جس جانور کی دل چاہے قربانی کردے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے۔ مسئلہ بالکل صاف ہے لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی ہے۔ محض ذہانت اس میں کیا تیر چلالے۔

دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، نماز کے بعد یاد آئے، اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ ضروری ہے۔ اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ آجکل پڑھتے ہیں تو نماز ہوگئی۔ کیا روشن دماغی یا شستہ تقاریر وتحریرات سے بلاواقفیتِ اصول وحقائقِ شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہوسکتی ہے؟ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو بجائے موزوں کے اوپر مسح کرنے کے موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا۔ لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آدمی جب تک قرآن وحدیث پر عمل کی حدود معلوم نہ کرسکے، مختلف آیات اور مختلف روایات کو جمع کرنے یا ترجیح دینے کے قواعد معلوم نہ کرسکے وہ کس طرح کسی آیت یا روایت سے استدلال کرسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ مجتہد کے لئے پانچ علوم کا جاننا ضروری ہے۔ جو شخص ان پانچ علوم کا جامع نہ ہو وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا۔ اوّل قرآن پاک کی قرأۃ اور تفسیر کا علم، دوسرے حدیث کا علم مع اس کی اسانید اور صحت وضعف کے، تیسرے سلف کے اقوال کا علم تاکہ ان سے باہر ہوکر اجماع کے خلاف نہ ہو اور مختلف اقوال میں ان کے اقوال سے باہر نہ جاسکے، چوتھے زبان عرب کی واقفیت لغت اور نحو وغیرہ کے اعتبار سے، پانچویں مسائل کے استنباط کے طریقوں اور مختلف نصوص میں تطبیق اور ترجیح کا علم ہونا ضروری ہے۔ (ازالۃ)

متعارض حدیثوں میں وجوہ ترجیح

علامہ حازمیؒ نے کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار میں دو مختلف

حدیثوں میں سے ایک کو راجح قرار دینے کے لئے پچاس وجوہ ترجیح مفصل نمبروار لکھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ حافظ عراقیؒ نے سو۱۰۰ سے زیادہ وجوہ ترجیح تحریر فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ خود وجوہ ترجیح میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے کہ ایک وجہ ترجیح کا مقتضا ایک حدیث کو ترجیح دینا ہے اور دوسری وجہ کا تقاضا ہے کہ دوسری حدیث کو ترجیح دی جائے۔ اسی طرح دو روایتوں کے تعارض کا قصہ ہے۔ پس اگر دو وجہ ترجیح متعارض ہو جائیں تو ان متعارض وجوہ ترجیح میں سے کونسی وجہ کی رعایت مقدم ہے، یہ مستقل مبحث ہے۔

مثال کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دو واقعے دیکھ لیجئے۔ ایک مسلم اور غیر مسلم میں جھگڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ خیال ہوگیا کہ عمر رضی اللہ عنہ میری رعایت کریں گے، اس لئے درخواست کی کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہمارا مقدمہ بھیج دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ یہ دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غیر مسلم نے ان سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا اس نے قبول نہیں کیا اور آپ کی خدمت میں مقدمہ لانے کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان سے پوچھا: کیا یہی بات ہے؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے، تلوار لائے اور اس مسلمان کی گردن اڑا دی اور ارشاد فرمایا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔ (درمنثور)

اور انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قصہ سنئے۔ قصہ لمبا ہے۔ مختصر یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے مرحمت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور جو تمہیں ملے اور دل سے "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرتا ہو (یعنی منافق وغیرہ نہ ہو) اس کو جنت کی خوشخبری سنا آؤ۔ یہ باہر آئے۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھا: یہ نعلین شریف کیسے؟ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے سینہ پر اس زور سے دونوں ہاتھ مارے کہ یہ سرین کے بل گر گئے اور ان کو واپس کردیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زور سے رونا شروع کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود

بھی پیچھے پیچھے حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ عرض کیا: ایسا ہرگز نہ کیجئے۔ لوگ اس خوشخبری پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور اعمال چھوڑ دیں گے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم) کیا خدانخواستہ یہ واہمہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی بے وقعتی کی یا حضور ﷺ کا خلاف کیا یا حضور ﷺ کا مقابلہ یا حضور ﷺ کی مخالفت کی۔ لیکن اس واقعہ کو اس پہلے واقعہ سے جوڑنا یقیناً علم کی معرفت پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ اور سنئے۔ نبی اکرم ﷺ بدر کی لڑائی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک شخص جس کی بہادری کا شہرہ تھا، جنگ میں شرکت کے خیال سے حاضر ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا ایمان لے آیا؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔ لیکن یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس کے بعد جنگِ خیبر اور غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ مشرک سے جانی اور مالی مدد حاصل فرمائی (کتاب الاعتبار و مغنی) حالانکہ جنگِ بدر کے وقت مسلمان اپنی قلت وضعف کی وجہ سے خیبر اور حنین کی بہ نسبت زیادہ ضرورت مند تھے۔

نبی اکرم ﷺ ۸ھ میں ایک جگہ تشریف لے جا رہے تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں سینگی لگوا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانے والا اور سینگی لگوانے والا دونوں کا روزہ نہیں رہا۔ لیکن ۱۰ھ میں حضور ﷺ نے خود روزہ کی حالت میں سینگی لگوائی۔ اسی طرح سینگی لگانے کے بارہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی اجرت ناپاک ہے لیکن حضور ﷺ نے خود سینگی لگانے والے کو اجرت مرحمت فرمائی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی، لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت، گدھا، کتا گزر جائے تو نماز قطع ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آ گیا ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہئے، لیکن یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے مؤخر نہ کرو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو تیری عیادت نہ کرے اس کی عیادت نہ کر۔ لیکن یہ بھی حدیث میں وارد ہے، جو تیری عیادت نہ کرے اس کی عیادت کر۔ (مقاصد حسنہ)

الغرض سینکڑوں ہزاروں احکام ہیں جن میں مختلف وجوہ سے مختلف احکام وارد ہوئے۔ محض قرآن پاک کے ترجمہ کو دیکھ لینے سے یا کسی مترجم حدیث کی کتاب میں حدیث کا ترجمہ دیکھ لینے سے یا صرف عربی زبان کی ڈگری حاصل کر لینے سے ان ارشادات کی وجوہ، ان میں ترجیح، ان میں تقدم تاخر، ان میں اصل حکم اور کسی عارض کی وجہ سے وقتی حکم کے درمیان فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

دین کے لئے تین شخص آفت ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین کے لئے تین شخص آفت ہیں، فاجر فقیہ اور ظالم بادشاہ اور جاہل مجتہد۔ (جامع) یعنی علوم سے ناواقف ہو اور پھر اپنے اجتہاد سے مذہب میں رائے زنی کرتا ہو۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص قرآن شریف (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تجویز کر لے۔ دین سے ناواقف لوگوں کو یہاں ایک اشکال نے گھیر لیا ہے۔ ان کو یہ خلجان پیش آیا کہ طبعیات، حسیات، حسابیات وغیرہ امور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ دو اور دو کے چار ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ شرعیات مذہبیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے۔ ازل سے لے کر آج تک کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس کے اندر مذہبیات میں اختلاف نہ ہوا ہو۔ یہ بددین لوگ اس اشکال میں یہاں تک بڑھے کہ بعض نے سرے سے دین ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے دین کا اقرار کرنے کے بعد دینیات سے انکار کر دیا۔ حالانکہ ایک ظاہری سی بات یہ تھی کہ جب خود ان کے اقرار کے موافق ازل ہی سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے تو ان کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہ ایک فطری چیز ہے اور ضروری۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ہزاروں برس کے اس طویل زمانہ میں یہ بات مستمرا چلی آتی۔ حالانکہ ان میں نہ معلوم کتنے ہزار عقلا اور حکماء ہر زمانہ میں ہوتے چلے آئے ہیں۔

ایک اشکال: شرعیات میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے

درحقیقت یہ اشکال بھی دین سے ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ دین میں

اختلاف کی دو وجہیں ہیں۔ ایک اصولی درجہ میں دوسری فروعی حیثیت سے۔ اصولی درجہ میں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اور مذہب حقیقت میں مالک الملک، خالق الکائنات کے ارشادات اور احکامات پر عمل کرنے کا نام ہے اور مالک کے لئے حق ہے کہ وہ اپنی مملوک کے لئے جس وقت جو حکم مناسب اور موافق مصلحت خیال فرمائے، نافذ کردے۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، نہ کوئی بیوقوف سا بیوقوف یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں آقا نے اپنے نوکر کو کل یہ کام کرنے کو کہا تھا آج دوسرا کام کیوں بتا دیا؟ ایک حاکم کا حق ہے کہ وہ اپنی رعایا کی بہبود کے لئے آج ایک قانون تجویز کردے، کل کو اس میں کوئی مناسب ترمیم کردے۔ مالک الملک نے بھی مختلف امتوں کے لئے مختلف اوقات میں اصول کے اتحاد کے ساتھ مناسب ترمیمات فرمائی ہیں، جو ان امتوں کے حسبِ حال اور ان کے لئے مناسب سمجھیں۔ اور ان ترمیموں کی وجہ سے مذاہب میں اختلاف لازمی اور ضروری تھا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ. (سورۂ بقرہ ع ۱۷)

''اب تو یہ بیوقوف ضرور کہیں گے ہی ان (مسلمانوں) کو ان کے سابقہ قبلہ سے جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس نے بدل دیا۔ آپ فرما دیجئے، سب مشرق و مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں۔''

(خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو دل چاہے مقرر فرما دیں۔ کسی کو منصب علت دریافت کرنے کا نہیں ہے) حق تعالیٰ شانہ نے مختلف ملل (ملتیں) کے لئے مختلف احکامات ارشاد فرمائے اور ہر ملت کے لئے جب تک وہ احکام باقی تھے ان پر عمل ضروری تھا۔ جب دوسرا حکم نازل ہوگیا اب اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری بن گئی۔ اس لئے یہ تخیل کہ ''ایک ہی احکام سب کے لئے ہیں'' نادانی ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَّلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اٰتٰكُمْ. (سورۂ مائدہ ع ۷) تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا) منظور ہوتا تو سب (یہود و نصاریٰ و اہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر)

ایک اُمت بنا دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تا کہ جو جو دین تم کو (ہر زمانہ میں) دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں۔

دوسری بات فروعی حیثیت سے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا صدور اور جزئیات کا ورود کتابی صورت سے نہیں ہوا بلکہ عملی صورت سے وقتی واقعات کے طور پر ہوا ہے (جس کو ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب نے الانصاف میں تحریر فرمایا ہے اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ میں اپنے مضمون اختلاف ائمہ میں بھی لکھ چکا ہوں)۔ ان واقعات سے احکام کا استنباط ہوا ہے اور ظاہر بات ہے کہ سمجھ اور فہم کے اعتبار سے فطرۃً قویٰ بشریہ مختلف ہیں۔ ہر شخص ایک سی سمجھ نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں اپنی فہم اور اپنے اجتہاد کے لحاظ سے احکام میں فرق ضروری تھا اور ہوا۔ لیکن جب شریعت مطہرہ نے اس اجتہاد کی اجازت اور گنجائش بتادی اور خصوصی قواعد کے ماتحت اس اختلاف کو جائز قرار دے دیا، بلکہ رحمت بتا دیا تو پھر کوئی خلجان باقی نہ رہا۔

تعجب ہے کہ ہم لوگ شب و روز میں بیسیوں مرتبہ اپنے کمسن بچوں سے یہ بات کہتے ہیں کہ تم ابھی بچے ہو، فلاں بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی، جب بڑے ہو جاؤ گے اس وقت سمجھ میں آئے گی، لیکن ہم لوگ اپنے کو ایسا کامل الفہم، کامل الذہن، کامل العقل سمجھتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیات کا مطلب وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تک (نعوذ باللہ) مشکوٰۃ نبوت کی بھی رسائی نہ ہو، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ حالانکہ ہم لوگ نہ صحابہؓ اور تابعینؒ کی برابری ایمان کی پختگی میں کر سکتے ہیں نہ اعمال کی درستی میں نہ قرآن شریف کی زبان دانی میں نہ انوارِ معرفت میں۔ پھر کیا پوچھنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کا، جہاں تک دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بھی رسائی نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے تلبیس ابلیس میں بالتفصیل وہ صورتیں لکھی ہیں جن میں اس اُمت پر شیطان کا ایک حملہ ان کی ذکاوت اور عقل اور ذہن کی طرف سے ہوتا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بشری قوتیں علوم الٰہیہ کو اجمالی طور سے حاصل کر سکتی ہیں اور اس کے لئے ان کو شرائع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ورنہ وہ گمراہی کے گڑھے میں گر جائیں گی اور اسی وجہ سے بہت حکمائے سابق اس بھنور میں پھنس گئے۔ مفید مضمون ہے دل چاہے تو دیکھ لو۔

اختلاف میں حدود سے تجاوز نہ چاہئے

علاوہ ازیں ایک چیز اور بھی نہایت قابل اہتمام ہے۔ غور سے سنو کہ اختلاف رائے خواہ ممدوح ہو یا لاف میں بھی حدود سے تجاوز کر جانا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا. (سورۂ مائدہ ع۱) ''ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لئے اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔'' غور کرو کہ یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلافِ رائے نہیں ہوتا یا اختلافِ مسائل نہیں ہوتا یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا۔ یہ سب چیزیں ہمیشہ ہی سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی۔ مخالفین ممدوح بھی ہوتے ہیں اور مذموم بھی۔ مگر کونسی چیز ہمارے لئے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اسلاف کی رائے، ان کا فعل، ان کا عمل مشعلِ ہدایت نہیں ہے۔ آپس کی مخالفت کے قصے دیکھنا ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑ کر اس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں۔ میں مثال کے طور پر چند واقعات کی طرف بھی متوجہ کرتا ہوں۔ مگر اس سے قبل ایک اصولی بات پر بھی متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معاصی بھی صادر ہوئے اور امورِ سلطنت وحکومت میں اختلافات اور لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے امور گو اُن حضرات کی شایانِ شان نہ ہوں، ان کے علو مراتب کے بعض امور خلاف ہوں، لیکن ہمارے لئے وہ امور مشعلِ ہدایت ہیں اور جو واقعات بھی پیش آئے وہ اُمت کے لئے راہِ عمل اور عمل کے لئے نمونہ ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فعلی کے لئے مبعوث تھے

اور حقیقی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی

ضرورت نبی کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ ان کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے تاکہ بعد میں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے شانِ نبوت انکار نہ کرتی ہو۔ ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ صبح کی نماز کے لئے آنکھ کا نہ کھلنا جو ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو یا تین مرتبہ پیش آیا۔ چونکہ یہ فعل شانِ نبوت کے منافی نہ تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صادر ہوا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی مشائخ بلکہ معمولی سالکین ایسے ہیں کہ ان کی ہمیشہ خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔ صبح کی نماز تو بڑی چیز ہے تہجد بھی ان حضرات کا قضا نہیں ہوتا۔ اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا متعدد بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا، جس کے بارہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنِّیْ لاَ اَنْسٰی وَ لٰکِنْ اُنْسٰی لِاَسُنَّ. (موطا مالک) ''میں بھولتا نہیں ، بلکہ بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت (اور طریقہ) جاری کروں۔'' دوسرے وہ احکام جو ایسے امور کے متعلق ہوں جو شانِ نبوت کے منافی ہیں جیسے زنا چوری وغیرہ اور اس نوع کے احکام کا بتانا بھی ضروری تھا اور ان کی حدود کا جاری کرنا بھی۔ ایسے ہی سلطنت کے مقابلے اور حکومت کرنے اور حکومت لینے کے ضوابط کی ضرورت بھی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں یہ چیز اگر پیش آتی تو جس جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو جاتا وہ قطعی تھا، خلاف کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چیزیں پیش آئیں اور دونوں جانب کے اصول وضوابط معرضِ ظہور میں آئیں۔ اس لئے جو چیزیں ایسی تھیں کہ شانِ نبوت ان کے منافی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اجراء کے لئے پیش کیا۔ ان میں سے جو امور ایسے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آسکتے تھے جیسے معاصی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صادر ہوئے اور جو ایسے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا پیش آنا مشکل تھا جیسے کہ سلطنت کے نزاعات، وہ بعد میں پیش آئے۔ ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ان سب نزاعات اور اختلافات پر بھی ان حضرات کرام کا ممنونِ احسان ہونا ضروری ہے کہ ہمارے لئے یہ حضرات راستے کھول گئے اور حکومت کرنے اور حکومت کی جائز مخالفت کرنے کے طریقے بتا گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزاعات کے چند نمونے

اب اس تمہید اور اصل کلی کے بعد چند نمونے مخالفت کے بھی لکھتا ہوں۔ غور کی نگاہ سے دیکھو کہ آپس کی مخالفتوں میں بھی ان حضرات نے کیا نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ جنگِ جمل کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ (تاریخ الخمیس) لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مدمقابل جماعت میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے۔ دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آ گئے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلہ نے۔ دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ (کتاب لامامۃ والسیاسۃ)

اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی۔ دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان مغلوبین کے مال کو غنیمت قرار دیا، لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرما دیا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوّل انکار فرماتے رہے، آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کونسا تیار ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نستغفر اللہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں یہ تو نہیں ہوسکتا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: وانا استغفر اللہ (میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں) کیا ہم بھی اپنے کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں۔ دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے، کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا احترام رکھتے ہیں جتنا یہ حضرات

مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کار رکھتے تھے۔ اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے، تم بڑے عبادت گزار، شب بیدار، تمام رات نماز پڑھنے والے تھے۔ سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے۔ (کتاب الامامۃ)

اس لڑائی کے خاتمہ پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ زخمی ہوکر گرا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلدی سے کہا: دیکھو (ام المومنین) کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ (طبری) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، جلدی سے بڑھے۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا: اماں جان! کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ اللہ جل شانہ تمہاری غلطی کو معاف فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ (طبری) یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی۔ ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہے۔ کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کی جان و مال و آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کرسکتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ ضرب المثل ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا۔ صبر نہ ہوسکا اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا فیصلہ فرمائیں۔ قاتل کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں۔ (مؤطا امام مالک) کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کرسکتے ہیں؟ کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاعی نہ ہو اس کی طرف رجوع کرسکتے ہیں؟ ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس طرف رجوع کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے خلیفہ ہونے کے وقت جب مہاجرین و انصار نے

بیعتِ عامہ کی تو ایک جماعت بیعت میں شریک نہیں ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر جبر نہیں فرمایا اور جب آپ سے کسی نے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حق کا ساتھ دینے سے بیٹھ گئے لیکن باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا۔ (خمیس) مگر آج کوئی شخص یا کوئی جماعت سکوت اختیار کرے تو اس کا کیا حشر ہے، یہ اخبار بینوں سے مخفی نہیں ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے پلایا ہے۔ اگر وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل جلالہ کا انتقام بہت کافی ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے۔ (خمیس)

لیکن ہمارا کیا عمل ہے؟ جس شخص سے معمولی اختلاف رائے ہے، ہر برائی اس کے ذمہ ڈالی جاتی ہے۔ جو اذیت ہم کو پہنچتی ہے اسی کی سازش سمجھی جاتی ہے۔ کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی اذیت پہنچائے تو دیدہ و دانستہ اس اذیت کو اس مخالف رائے کے ذمہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ بسا اوقات ہمارا دل کہتا ہے کہ یہ فعل اس کا نہیں ہے مگر انتقام کا جوش اس کی سعی کرتا ہے کہ اس قصہ میں اس کو بے گناہ جاننے کے باوجود اس کو پھانسا جائے۔

اور سنئے! اسی جنگِ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کس قدر سخت مخالفت تھی کہ اصل جنگ ہی ان دونوں حضرات کی تھی، لیکن جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باوجود اس ساری لڑائی کے بخوشی اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم و لحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو۔ میرے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا۔ اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نعم و کرامۃ۔ ''ہاں ہاں بڑے

اکرام کے ساتھ۔'' (یہ ہے مسلمانوں کے اسلاف کی لڑائی اور آپس کی مخالفت۔ اس کے بعد کا حال بھی سنو کہ) امراء بنی امیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخالفین نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا تو حسن بھی دفن نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے امیر مدینہ سعید بن العاصی کو بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (خمیس)

کیا ہم بھی سنت کی رعایت میں اپنے دشمن کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں؟ یہاں معمولی سے معمولی اختلاف پر مصلوں سے ہٹا دینا، امامت سے علیحدہ کر دینا روزمرہ کے معمولات ہیں۔ دو چار واقعہ ہوں تو کوئی گنوائے۔ جہاں ہزاروں لاکھوں واقعات اسی نوع کے ہوں، کہاں تک گنوائے جائیں۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔

غیر مسلموں کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا برتاؤ

ایک نظر غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ پر بھی ڈالتے جاؤ۔ کفار مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ابتداء اسلام میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائیں، کونسی ایسی اذیت و تکلیف اور توہین و تذلیل تھی جو ان حضرات کے ساتھ نہیں برتی گئی۔ ہر مسلمان ان سے واقف ہے اور عام و خاص کی زبانوں پر یہ واقعات ہیں۔ کچھ نمونہ دیکھنا چاہو تو حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ باب دیکھو۔ لیکن ان سب کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے۔ سب کفار زیرِ نگین اور مغلوب ہوتے ہیں۔ اس وقت ہر شخص اپنے اوپر خائف ہے کہ اپنی عداوتیں سامنے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے نکلتا ہے: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ. (درمنثور) آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔

غزوۂ بدر میں کس زور شور سے کفار نے مقابلہ کیا۔ پھر مغلوب ہوئے، پکڑے گئے۔ لیکن قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا کہ بعض کو معمولی معاوضہ پر آزادی دی گئی اور بعض غریبوں کو بلا معاوضہ آزادی دے دی گئی۔ (خمیس) اسی طرح جس قدر معرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوئے ہیں، تاریخ کے صفحات ان سے پُر ہیں کہ

ذمیوں اور قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا وہ آج مسلمانوں کا مسلمانوں سے نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی آدمی عورت اور غلام تک کسی کو امن دے دیتا تھا تو بادشاہ اور امیر کو اس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ آج قوم کے بڑے بھی کسی سے معاہدہ کرلیں تو ساری قوم ان کے خلاف لعنت کا ووٹ پاس کرنے کو تیار ہے۔

فتح مکہ میں حضرت ام ہانیؓ نے اپنے سسرال کے کسی شخص کو امن دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو رد کرنا چاہا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ہم نے امان قبول کرلیا ہے اور ضابطہ بنادیا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ کا امان دے دینا معتبر ہے۔ ہرمزان کا بار بار بدعہدی کرنا اور پھر امن چاہنا تواریخ میں مفصل مذکور ہے۔ اور اخیر میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی مکرر، سہ کرر بدعہدی سے قتل فرمانے کا تہیہ کرلیا تھا تو کیسے معمولی حیلے سے امن چاہ کر مسلمان ہوئے کہ اوّل اپنے پیاسے ہونے کو ظاہر کیا اور جب پانی دیا گیا تو کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے قتل کردیا جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کرو۔ پانی پینے تک تم کو امن دے دیا۔ یہ سن کر گلاس کا پانی گرادیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پانی منگایا تو کہنے لگے: مجھے پانی پینا منظور نہیں ہے، مگر آپ پانی پینے تک امن دے چکے ہیں۔ اگرچہ یہاں بالکل صاف اور ظاہر مفہوم تھا کہ پانی نہیں پیتا تو امن ختم ہے۔ مگر چونکہ امن اور ایفائے عہد میں یہ حضرات بہت اونچی چٹان پر تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرمالیا۔

ان حضرات کے اس علو شان کا تھوڑا سا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھی ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی عجمی مذاق اور لہوولعب کے طور پر یا کسی ایسی زبان میں یا ایسے الفاظ میں کہے جو ان کے یہاں امن سمجھے جاتے ہوں تو تم اس کو امن کے قائم مقام سمجھو۔ اس لئے کہ امن دینے میں غلطی کر جانا کارآمد ہے اور بدعہدی میں غلطی کر جانا ہلاکت ہے۔ اور تمہارے ضعف اور دشمن کے قوی ہوجانے کا سبب ہے۔ (اشاعۃ)

ابولؤلؤہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے نصرانی غلام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی۔ حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل بھی کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ اس نے اس وقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔ لیکن اس

کے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا، بلکہ اس کے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا جو کتب احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے۔ اور اس کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب نہاوند کے قیدی پکڑ کر لائے گئے اور ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ "اَکَلَ عُمَرُ کَبِدِیْ" "عمر نے میرا جگر کھالیا ہے۔" (اشاعۃ)

ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی حاجت پوری فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اس کو آپ قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ آپ نے فرمایا: فَمَنْ یَقْتُلُنِی پھر مجھے کون قتل کرے گا۔ (اشاعۃ) ایک روایت میں ہے کہ ابھی اس نے قتل نہیں کیا (تو پہلے سے قصاص کیسے ہوسکتا ہے) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کر دیا اور پکڑا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا۔ قید میں رکھنا وَاَطِیْبُوْا طَعَامَهٗ وَاَلِیْنُوْا فِرَاشَهٗ اور کھانے کو اچھا دینا اور بستر ہ نرم دینا۔ اگر میں اس حملہ سے مرگیا تو قصاص میں قتل کر دینا اور اچھا ہوگیا تو میں اپنے معاملہ کا مختار ہوں، چاہے معاف کردوں یا بدلہ لوں۔ (خمیس)

ان واقعات کا احاطہ کسی مختصر تحریر میں کیا ہوسکتا ہے۔ تواریخ ان سے لبریز ہیں۔ مجھے تو اس نمونہ سے صرف ادھر متوجہ کرنا مقصود ہے کہ مخالفتیں اور دشمنیاں ہوتی آئی ہیں مگر دشمنوں کے ساتھ بھی ان پاک نفوس کا جو برتاؤ تھا وہ ہمارا دوستوں سے بھی نہیں ہے۔ پھر امید باندھے بیٹھے ہیں کہ اسلام اسلام کا نام زبان پر رٹیں اور ثمرات وہی حاصل ہوں جو ان کو حاصل تھے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ.

نہایت مختصر آخری وصیت

ابھی میرا کچھ اور بھی لکھنے کا خیال تھا مگر ماہ مبارک قریب آ رہا ہے اور اس مبارک مہینے میں مجھے خط لکھنا تو درکنار، پڑھنا بھی دشوار ہے۔ اس لئے ایک نہایت مختصر مضمون پر اس خط کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس سارے مضمون سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ہماری ساری پریشانیوں کا منشاء اسلامی تعلیمات سے ہماری غفلت اور اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کی انتہائی ترقی کا راز صرف اسلامی

تعلیمات پر عمل کرنے میں مضمر ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا آخری نصیحت اور وصیت کرتا ہوں۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

کہ جہاں کہیں کسی ناجائز امر کو دیکھو اور اس کے روکنے پر قدرت ہو اس میں دریغ (دیر) نہ کرنا۔ اور جہاں قدرت نہ ہو وہاں نزاع وفساد پیدا نہ کرنا۔ یہ دو امر نہایت اہم اور دقیق (باریک) ہیں۔ اس میں ہم لوگ بسا اوقات غلطی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے اُمور کو جو ہماری قدرت میں ہیں ہم اپنے تعلقات کے زور میں، اولاد واحباب کی محبت میں ان پر سکوت کرتے ہیں۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (رواہ مسلم وغیرہ) (رسالہ تبلیغ) ”جو شخص تم میں سے کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے اس کو ہاتھ سے بدل ڈالے (مثلاً کوئی ناجائز چیز بنتے ہوئے دیکھے، اگر قدرت ہے تو اس کو توڑ ڈالے۔ کسی شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے، ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ اس پر کچھ زور ہو تو مار کر روک دے) اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے بدل ڈالے (یعنی ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روک دے یا کم از کم زبان سے اس کے ناجائز ہونے کا اعلان کر دے) اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔“ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب دل سے بھی اس کو بُرا نہیں سمجھا ہے تو گویا دل سے اس کو پسند کر لیا۔ پھر ایمان کا کونسا درجہ رہ سکتا ہے۔ اسی لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَفْضَلُ الْجِهَادِ کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ. ارشاد فرمایا ہے (افضل ترین جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے) کہ چونکہ ہاتھ سے روکنے پر قدرت نہیں ہے، اس لئے زبان ہی سے کہہ دے۔ شاید اثر کر جائے، یا کم از کم اس کے علم میں تو یہ بات آ جائے کہ میں فلاں کام ناجائز کر رہا ہوں۔ اپنی جہالت سے ناجائز کو جائز اور باطل کو حق سمجھتا رہے کہ پھر اس سے رکنے کی یا توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ

قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلىٰ اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَ لَايُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ حُبَّانَ وَ غَيْرُهُمَا. (رسالہ تبلیغ) جو شخص کسی جماعت میں ہو اور کوئی ناجائز کام کرتا ہو اور وہ جماعت اس کے روکنے پر قادر ہو پھر بھی نہ روکے تو ساری جماعت کو مرنے سے پہلے پہلے اس کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا اھ۔

کس قدر سخت وعید ہے۔ ہم لوگ اپنی اولاد کو، اپنے چھوٹوں کو علی الاعلان ناجائز امور کرتے دیکھتے ہیں۔ ہر طرح سے ان پر قدرت ہے، زور ہے، لیکن پھر بھی ان کی محبت کی وجہ سے یا دین سے غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے نہیں روکتے۔ یہ حقیقت میں نہ ان کے ساتھ خیر خواہی ہے نہ اپنے ساتھ۔ ان کو بھی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں اور اپنے کو بھی۔ آج اولاد، ملازم، بیوی، بہن کوئی مالی نقصان کردے، ہماری اپنی شان کے خلاف کوئی بات کہہ دے، اس کی جان کو آ جائیں گے۔ مار پیٹ سے بھی دریغ نہ ہوگا۔ گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لیکن وہ نماز نہ پڑھتا ہو، داڑھی منڈاتا ہو، غرض اللہ جل جلالہ اور شریعت مطہرہ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہو تو کچھ مارنا تو درکنار زبان سے بھی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ دل میں بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی حکومت کا مجرم ہو، اس کا باغی ہو، قتل کا ملزم ہو، وہ ہمارے پاس آجائے تو زبان سے اگر کسی وجہ سے نہ کہا جائے گا تو بھی دل میں بار بار خیال آئے گا کہ یہ مجرم میرے پاس ہے، کہیں میں اس کے ساتھ نہ پکڑا جاؤں۔ لیکن اللہ کا باغی، اللہ کا نافرمان، کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہمارے پاس آتا ہے تو زبان سے کہنا تو بڑی بات ہے دل میں بھی اس کا وسوسہ نہیں آتا کہ یہ اللہ کا مجرم ہے، کہیں اس کی نحوست میں میں بھی گرفتار نہ ہو جاؤں۔ قرآن حکیم اور احادیث بار بار اس چیز کی مذمت کرتے ہیں۔ اس پر جگہ جگہ تنبیہیں وارد ہیں۔ اور پھر اللہ جل شانہ جیسا قادر کہ دنیا اور آخرت کی بادشاہت اسی کی ہے، دنیا کے سارے بادشاہ اور حاکم اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، لیکن ذرا بھی اس مالک کا خوف ہمارے دل میں نہیں آتا اور علی الاعلان اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر ہم پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں نہ نازل ہوں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ

ظَهْرَانَیْهِمْ وَ هُمْ قَادِرُوْنَ عَلیٰ اَنْ یُّنْکِرُوْهُ فَلَا یُنْکِرُوْا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَ الْخَاصَّةَ. (مشکوٰۃ)

"اللہ جل شانہ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب نہیں کرتے، جب تک کہ وہ لوگ ان مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں۔ اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔"

میں اسی مضمون کو اپنے ایک رسالہ میں جو رسالہ تبلیغ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، مفصل لکھ چکا ہوں۔ اس لئے یہاں مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جس جگہ آدمی کو قدرت حاصل ہے وہاں نہ روکنا اپنے آپ کو مصائب اور پریشانیوں کے لئے پیش کرنا ہے۔ اور منجملہ اور پریشانیوں کے اسباب کے جو آج چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں یہ بھی بڑا سبب ہے کہ ہم دین کی کسی بات پر کسی مخالف اور دشمن کو تو ضرور اس کی آبروریزی کی نیت سے، اس کا وقار گرانے کی فکر میں ٹوکیں گے اور کچھ نہ ہو سکے گا تو اظہارِ حق اور احقاقِ حق کے نام سے اس کے خلاف ایک فتویٰ لے کر شائع کر دیں گے، لیکن اپنے عزیز کو، اپنے دوست کو، اپنے چھوٹے کو کبھی بھی ٹوکنے کا ارادہ نہ کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِی الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَیْبَةُ الْاِسْلَامِ وَ اِذَا تَرَکَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَةَ الْوَحْیِ وَ اِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ. (رسالہ تبلیغ) "جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اونچی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلامی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب نیک کاموں کے کرنے کا حکم اور بُرے کاموں سے روکنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکتوں سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔" ایک حدیث میں وارد ہے کہ تمہیں دو نشے گھیریں گے۔ ایک نشہ زندگی کی محبت کا، دوسرا نشہ جہالت کی محبت کا (یعنی علم حاصل کرنے سے پہلو تہی کرنا) اس وقت تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے۔ اس وقت قرآن و حدیث پر مضبوطی سے جمنے والے ایسے ہوں گے جیسے اونچے درجہ کے مہاجرین و انصار۔ (جامع)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی حدود پر قائم ہیں (یعنی دین میں خوب پختہ ہیں) اور جو لوگ ان میں گرنے والے ہیں (یعنی معاصی میں مبتلا ہیں) ان دونوں کی مثال اس جماعت کی سی ہے جو ایک جہاز میں سوار ہوئی، جس میں کچھ لوگ اوپر کے طبقہ میں ہیں اور کچھ لوگ نیچے کے حصہ میں ہیں۔ نیچے والے پانی لینے کے لئے بار بار اوپر آتے ہیں۔ وہ اس دقت کی وجہ سے کہ اوپر بار بار جانا پڑتا ہے، جس سے ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جو اوپر ہیں، اس لئے وہ لوگ جہاز کے نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ کرنے لگیں تاکہ وہیں سے پانی آنے لگے تو ایسی صورت میں اگر اوپر کے حصہ والے ان کو سوراخ کرنے سے نہ روکیں گے تو جہاز میں سوراخ ہو جانے سے اندر پانی بھر آئے گا اور دونوں فریق ڈوب جائیں گے۔ (ترغیب عن البخاری)

اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قدرت کے بعد نہ روکنا صرف گناہ کرنے والے ہی کو نقصان رساں نہیں ہے، اپنے آپ کو بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا کرنا ہے اور عام عذاب کے لئے تیار ہونا ہے۔ آجکل جو لوگ دیندار کہلاتے ہیں اور بہت سے ان میں واقعی دیندار ہیں بھی، وہ اپنے آپ کو بالکل ہی سبکدوش (بری) سمجھتے ہیں لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ. (جب تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ تو کسی کا گمراہ ہونا تم کو نقصان نہیں پہنچاتا) کا پروانہ اپنے اطمینان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، اللہ تعالیٰ ان پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں، دین کے کسی جز کو بھی غیر مکمل نہیں چھوڑا ہے۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت شریفہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب میں یہ ارشاد فرمانا تفاسیر میں منقول ہے: اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ کرتے رہو، ورنہ عام عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اس آیت شریفہ کا محل یہ ہے کہ جب اس کی طاقت نہ رہے اور فتنوں کا دروازہ کھل جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو بے محل پڑھتے ہو۔ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو لوگ ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کو نہ روکیں قریب ہے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ دو آدمیوں میں کچھ نزاع (اختلاف) ہوا۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک صاحب نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر

اس کو روک دیں۔ دوسرے کسی صاحب نے ان کو اٹھنے سے منع کیا اور یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ابھی اس آیت کا وقت نہیں آیا ہے۔ (درمنثور)

الغرض جہاں قدرت ہو وہاں نکیر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح دوسری جانب جہاں قدرت نہ ہو، نکیر پر کوئی فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو، کسی دینی مضرت اور نقصان کا خیال ہو، وہاں خواہ مخواہ خم ٹھوک کر نہ کھڑے ہونا بلکہ اس مجمع سے یکسوئی اختیار کرنا۔ اور لوگ تمہاری یکسوئی پر بُرا بھلا کہیں، گالیاں دیں، طعن و تشنیع کریں، اس کو برداشت کرنا۔ ہمت ہو تو ان کے لئے دعائے خیر کرنا: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاک اور اونچا اسوہ[1] ہے۔ لیکن یہ نہ ہو سکے تب بھی ایسے مواقع میں جھگڑے سے علیحدہ رہنا، اصلاح کی فکر میں نہ لگنا، اپنے کو سنبھالے رہنا بہت غنیمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا رَأَيْتَ النَّاسَ قَدْ مَرَجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَ خَفَّتْ اَمَانَاتُهُمْ وَ كَانُوْا هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَنَامِلِهٖ فَالْزَمْ بَيْتَكَ وَامْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَ خُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَ عَلَيْكَ بِخَاصَّةِ اَمْرِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَ كَذَا فِي الْجَامِعِ وَ قَالَ الْعَزِيْزِيْ صَحِيْحٌ.

جب تو دیکھے کہ آدمیوں کے عہد و پیمان گڑبڑ ہو گئے اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں (یعنی ان کا اہتمام نہیں رہا) اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر (ارشاد فرمایا کہ جب تو دیکھے کہ) لوگ اس طرح آپس میں گڑبڑ ہو گئے (کنایہ ہے حق ناحق، بھلے بُرے کے آپس میں مخلوط اور غیر ممتاز ہو جانے سے) تو اپنے گھر میں بیٹھ جانا اور زبان کو روک لینا، جائز امور کو اختیار کرنا اور ناجائز سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا اور عوام کو چھوڑ دینا۔

---

[1] جنگ اُحد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرۂ انور بھی زخمی ہو گیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ چیز بہت شاق تھی اور ہونا بھی چاہئے تھی۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی تھی کہ ان کفار پر بددعا فرما دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے بددعا فرمانے کے یہ پاک الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں۔ (شفا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی کا بہترین مال چند بکریاں ہوں جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر اور ایسے مواقع پر جا پڑے جہاں بارش ہوتی رہتی ہو کہ اپنے دین کی وجہ سے فتنوں سے بھاگتا ہو۔ (بخاری)

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے فتنوں کے زمانہ میں یکسوئی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ جو شخص ایسا ہو کہ اس کو فتنہ کے روکنے پر قدرت ہو، اس کے لئے اس کے روکنے میں سعی کرنا واجب ہے۔ جو حالات کے اختلاف کی وجہ سے فرضِ عین یا فرضِ کفایہ ہے (یعنی اگر کوئی دوسرا شخص اس کو روکنے والا نہیں ہے تو فرضِ عین ہے اور اگر اور لوگ بھی ایسے ہیں جو اس کو روک سکتے ہیں تو فرضِ کفایہ ہے) اور بغیر فتنہ کے زمانہ کے علماء میں اختلاف ہے کہ یکسوئی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ اختلاط افضل ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ اور دیگر بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اختلاط افضل ہے۔ اس لئے کہ اس سے بہت سے دینی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی شعاروں میں شرکت کی نوبت آتی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کی کثرت ظاہر ہوتی ہے اور ان کو بہت سی بھلائی کے پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ مریضوں کی عیادت، جنازوں کی شرکت، سلام کا شائع کرنا، بھلی باتوں کا حکم کرنا، بُری باتوں سے روکنا، نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، محتاج کی مدد کرنا، مسلمانوں کی جماعتوں میں شریک ہونا، وغیرہ وغیرہ جتنے امور بھی ہو سکتے ہوں سب کا امکان ہے اور جو شخص عالم ہو یا زاہد، اس کے لئے اختلاط کا استحباب اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ باوجود ان سب کے بھی تنہائی افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں سلامتی یقینی ہے، بشرطیکہ تنہائی کی عبادت اور ان چیزوں سے جو تنہائی کی حالت میں اس کے ذمہ ضروری ہیں واقف ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: مذہب راجح یہی ہے کہ جس شخص کو اس کا غلبہ ظن نہ ہو کہ وہ خود معاصی اور گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا، اس کے لئے اختلاط ہی افضل ہے۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں تو یکسوئی ہی افضل ہے۔ اس لئے کہ مجالس گناہوں سے بہت ہی کم خالی ہوتی ہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی کرمانیؒ

کا موافق ہوں، اس لئے کہ اِس زمانہ میں اختلاط سے برائیوں کے سوا اور کچھ حاصل نہیں فقط۔ امام نوویؒ کی وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ہے اور علامہ کرمانیؒ کی ۷۸۶ھ میں۔ تقریباً سو ۱۰۰ برس کے فرق میں زمانہ کا یہ تغیر ہے کہ امام نوویؒ اختلاط کو افضل بتاتے ہیں اور امام کرمانیؒ سو برس کے بعد فرماتے ہیں کہ آجکل مجالس اس قابل نہیں رہیں۔ علامہ عینیؒ کی وفات ۸۵۵ھ میں ہے۔ وہ علامہ کرمانیؒ کی تائید کرتے ہوئے شرور کا اضافہ ہی بتاتے ہیں۔

ایسی صورت میں اب چودھویں صدی کے نصف آخر میں جتنا بھی اضافہ ہو، قرین قیاس ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر زمانہ اپنے ماسبق سے شر میں بڑھا ہوا ہوگا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بُری باتوں سے روکتے رہو۔ البتہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کی جاتی ہے اور دنیا کو (دین پر) ترجیح دی جاتی ہے اور ہر ذی رائے اپنی رائے کو بہتر سمجھتا ہے (یعنی خود رائی عام ہو جائے) اور ایسی حالت کو دیکھے کہ (سکوت بغیر) چارہ کار نہیں تو اپنے نفس کی خبر گیری کیجیو (مبادا کسی فساد میں مبتلا ہو جائے) اور عامۃ الناس کو چھوڑ دیجیو۔ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (اپنے دین پر) صبر کرنا ایسا ہوگا گویا آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے لی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے کر اس پر صبر کرنا اور اس کو ہاتھ میں روکے رکھنا جیسا مشکل ہوتا ہے، ایسا ہی دین کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں دینی امور کا پھیلانا، ان کی جانب متوجہ کرنا، بلکہ خود اپنے آپ دین پر عمل کرتے رہنا جس قدر مشکل بن گیا ہے وہ ہر دیندار شخص جانتا ہے۔ اہم سے اہم دینی امر اور ایمان کے بعد سب سے اونچی چیز نماز ہی کو دیکھ لو کہ عوام کے طبقہ سے زیادہ شرفاء اور امراء اور وہ لوگ جو اپنے کو اسلام کا علمبردار سمجھتے ہیں ان کو نماز کے لئے کہنا ان کو مسجدوں میں جانے پر، جماعت کے اہتمام پر آمادہ کرنا کتنا مشکل بن گیا ہے۔ گویا کہنے والے کی اپنی غرض اس سے وابستہ ہے۔ جس کو کہا جاتا ہے اس کا تو کوئی نفع اس میں ہے ہی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کوئی آگ (چراغ وغیرہ) روشن کی اور پروانے وغیرہ جانور اس پر آ کر گرتے ہیں اور وہ ان

کو ہٹاتا ہے کہ خواہ مخواہ جل جائیں گے مگر وہ ہٹتے نہیں اور اس میں جلے جاتے ہیں یہی بعینہٖ میری مثال ہے کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر (جہنم) کی آگ سے ہٹاتا ہوں مگر تم لوگ اس میں گھسے جاتے ہو۔ (مشکوٰۃ) اسی طرح علماء کے لئے بھی افضل یہی ہے حتی الوسع منکرات سے روکنے کی سعی کریں لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ مغلوب ہوجائیں یا کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر فتنہ سے علیحدہ رہنا بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج (مشہور ظالم) کو خطبہ میں ناجائز امور کہتے ہوئے سنا۔ میرے دل میں آیا کہ اس کو ٹوکوں۔ مگر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آ گئی (اس لئے چپ ہوگیا) وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ میں نے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ ارشاد فرمایا کہ ایسی مشقت میں داخل ہوجائے جس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ مسلمان کے لئے یہ (جائز) نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ ارشاد ہوا کہ ایسی بلا میں داخل ہو جس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ (مجمع الزوائد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ میں لڑائی ہو رہی تھی، یہ اپنے اونٹوں کو لے کر جنگل میں چلے گئے تھے۔ ان کے صاحبزادہ عمر اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے دور ہی سے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الرَّاکِبِ. (اے اللہ! میں اس سوار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں) پڑھنا شروع کردیا۔ یہ تشریف لے گئے۔ سواری سے اترے اور عرض کیا: آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں کو لے کر یہاں تشریف لے آئے اور لوگوں کو چھوڑ دیا کہ وہ سلطنت پر لڑتے رہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا: چپکے رہو۔ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ جل شانہ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو اور مخفی ہو۔ (ترغیب بروایۃ مسلم)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو بہترین شخص بتاؤں کون ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتایئے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہے جو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے

اللہ کے راستے میں رہے، یہاں تک کہ مر جائے یا شہید ہو جائے۔ پھر ارشاد فرمایا: بتاؤں اس کے بعد کون شخص بہترین ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتائیے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو کسی گھاٹی میں الگ جا پڑا ہو، نماز کو قائم رکھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو، لوگوں کے شرور سے محفوظ ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے، کیا ہی اچھا ہے وہ شخص کہ اپنی زبان پر قدرت رکھتا ہو، اپنے گھر میں پڑا رہتا ہو اور اپنی خطاؤں پر روتا رہتا ہو۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: نجات کی کیا صورت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں پڑے رہو، اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

لیکن ان سب صورتوں میں ایک بات قابلِ اہتمام ہے کہ ناجائز اور بُری بات کو دیکھ کر دل سے اس چیز کو برا سمجھنا، دل سے اس پر رنجیدہ ہونا، دل سے اس پر نفرت کرنا ازبس ضروری ہے، جس کو سب سے پہلی حدیث میں ایمان کا ضعیف درجہ کہا گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو ہلاک کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے تیری ذرا سی نافرمانی بھی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ اس کے باوجود ہلاک کردو۔ میرے بارے میں اس کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہیں پڑا۔ (مشکوٰۃ) بل نہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ میری نافرمانی دیکھتا رہا اور کسی وقت ذرا بھی اپنی ناگواری اور گرانی کا اظہار نہ کیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر میں شریک ہو مگر اس کو برا سمجھتا ہو (دل سے اس پر نفرت کرتا ہو گو کسی مجبوری سے اس میں شریک ہو) وہ ایسا ہے جیسا کہ اس میں شریک نہیں ہے اور جو شخص اس میں شریک نہ ہو اور اس کو پسند کرتا ہو وہ ایسا ہے جیسا اس میں شریک ہے۔ (مجمع الزوائد)

گناہ کی بات خواہ کسی میں بھی ہو، اس پر راضی ہونا سمِ قاتل ہے اور پھر سب گناہوں کی جڑ کفر ہے، اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے مکاتیب میں ایک بڑا قابلِ عبرت قصہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کی عیادت کو گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ انتقال کا وقت بالکل قریب ہے۔ میں نے اس پر توجہ ڈالی تو اس کے دل کو ظلمتوں سے بھرا ہوا پایا۔ ہر چند میں نے توجہ کی کہ اس کے

دل پر سے یہ ظلمتیں دور ہو جائیں، مگر دور نہ ہوئیں۔ بڑی دیر توجہ کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ظلمتیں اہل کفر سے دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ توجہ سے زائل نہ ہوں گی، جہنم کے عذاب ہی سے زائل ہوں گی۔ (مکتوبات دفتر اوّل حصہ چہارم) کس قدر خوف و عبرت کا مقام ہے کہ بعض کدورتیں دل پر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ اللہ والوں کا تعلق جو اکسیر ہے وہ بھی ان کے مقابلہ میں بے کار ہو جاتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ اہل معاصی کے بغض کے ساتھ اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرو اور ان سے ترش روئی سے ملو اور ان سے ناراضی میں اللہ کی رضا تلاش کرو اور ان سے دور رہنے میں اللہ کا تقرب حاصل کرو۔ (جامع الصغیر) سند اگرچہ ضعیف ہے مگر مضمون کی دوسری احادیث سے تائید حاصل ہوتی ہے۔ عزیزی نے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اس معصیت سے بغض رکھو نہ کہ اس شخص کی ذات سے اور یہی مطلب ہے ان سب احادیث کا، جہاں اس قسم کے مضامین وارد ہوئے ہیں کہ آپس کے تعلقات اور کسی سے محبت کی وجہ سے اس میں جو معصیت ہے وہ بھی ہلکی نہ بن جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس میں جو صفتِ اسلام ہے وہ نظر انداز نہ ہو جائے۔ اس لئے ان دونوں افراط و تفریط کے درمیان میں اعتدال ہے، یہی اصل تعلیم ہے اور یہی ہر چیز کو اس کے درجہ پر رکھتا ہے جس کے ہم لوگ مامور ہیں۔ حق یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی ہی تھی کہ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. (اللہ کے دین میں فوجیں کی فوجیں داخل ہوتی ہیں) کا مصداق تھی۔ مگر ہم نے اس سے منہ موڑا۔ اس پر عمل کرنا درکنار اس کو معلوم کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اسی کے یہ خمیازے ہیں جو بھگت رہے ہیں۔ ہماری مثال شتر مرغ کی سی ہے، جس کے متعلق ایک ضرب المثل ہے کہ جب اس سے اُڑنے کا کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں شتر ہوں، بھلا اونٹ بھی اُڑ سکتا ہے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ بار برداری کر تو کہتا ہے کہ میں مرغ ہوں بار برداری کیسے کروں؟

ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعمال کے کرنے کا ذکر آتا ہے تو ہم لوگ چودھویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے ہیں۔ بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے اعمال ہم سے کہاں ہو سکتے ہیں۔ وہ قوی لوگ تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے

والے تھے۔ وہ خیر القرون کے افراد تھے۔ بھلا ہم ان کی کیا حرص کر سکتے ہیں۔ دنیادار ہیں، دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں۔ لیکن جب ان حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے، ان کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے، ان کی عزت و وجاہت کا سماں بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے جانشین ہیں۔ ان کے خلاف ہیں اور ترقیات میں ان کی ہمسری کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے۔ اگر ہمیں ان ترقیات کی اُمنگ ہے تو ان کے سے اعمال کر کے اِن ثمرات کا امیدوار بننا چاہئے۔ لوبیا بو کر سیب کا پھل آنے کی امید کرنا سراسر حماقت ہے۔ بس اب وقت ختم ہو چکا ہے۔ رویت ہلال کا وقت قریب ہے۔ دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ مجھ ناکارہ کو بھی ان حضرات اکابر کے اسوہ سے کچھ حصہ نصیب فرمائیں۔ میری مثال اس ساری تحریر میں اس نابینا کی سی ہے جو چراغ ہاتھ میں لئے دوسروں کو کہتا ہے کہ روشنی کے فوائد حاصل کرو، اور بے چارہ خود محروم ہے۔ وَ مَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِیْ لَکَ اسْتَقِمْ.

اس کے علاوہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، میرا خیال ہے کہ سب اشکالات کے لئے مجملاً کافی ہے اور سب امور کا اس سے حل ہو گیا ہوگا۔ لیکن یہ میرے ناقص خیالات ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سب اس کو قبول کریں اور مانیں۔ اگر سمجھ میں آئے بہتر ہے قبول کر لیں ورنہ کالائے بد بریشِ خاوند۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. وَ صَلَّی اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی عَلٰی اَفْضَلِ خَلْقِهٖ سَیِّدِ الْبَشَرِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَاَتْبَاعِهِمْ حَمَلَةِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

فقط والسلام
زکریا عفی عنہ کاندھلوی
۲۹ شعبان، ۱۳۵۷ھ